

سیرت النبی ﷺ

قدم بہ قدم

ایم آئی ایس پبلشرز

سیرت النبی ﷺ
قدم بہ قدم

جلد دوم

تالیف
عبداللہ فارانی

ناشر

ایم آئی ایس پبلشرز

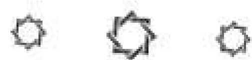
523، بلاک سی، آدم جی نگر، کراچی

فون: 4931044، [illegible]

نام کتاب: سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم (جلد دوم)
مؤلف: عبداللہ فارانی
تاریخ طباعت: جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ جون 2008ء
ناشر: ایم آئی ایس پبلشرز

ملنے کا پتہ
ایم آئی ایس پبلشرز
523، بلاک سی، آدم جی نگر، کراچی
فون 4931044، 021-4944448

فہرست مضامین



عرضِ ناشر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بقدم'' کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پہلی جلد (جس میں نبی آخر الزماں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ہجرت تک یعنی مکی زندگی کے حالات بیان کیے گئے تھے،) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اتنی مقبول ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا، اور اس کا دوسرا ایڈیشن بھی اس عرصہ میں شائع ہوگیا۔

اس دوسری جلد میں ہجرت کے بعد یعنی مدنی زندگی کے حالات وواقعات بیان ہوئے ہیں۔ نبیِ کریم حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ مبارکہ ہر مسلمان کے علم میں ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا بھی ہے اور ان پر عمل پیرا ہونا ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری بھی ہے۔ اس لیے کتابِ ہٰذا کو اس نیت سے بھی پڑھیں کہ انشاء اللہ ہم خود بھی اپنی زندگیوں کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی پیار ومحبت سے اس طرف راغب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو اپنی بارگاہِ میں بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اور روزِ قیامت اسے مؤلف، جملہ معاونین، شرکائے کار اور قارئین کے لیے نجات اور رحمۃ اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

ایم آئی ایس

پیش لفظ

''سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قدم بقدم'' جلدِ اول دیکھ کر ایک خوش گوار حیرت کا احساس ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک دن میں اس قدر خوب صورت کتاب دیکھوں گا۔ مجھے تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ یہ سلسلہ اس حد تک مقبول ہو جائے گا۔ بلکہ دیکھا جائے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایک دن میں دنیا کے سب سے بڑے موضوع پر بھی لکھوں گا... بات صرف یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نوازشات ہیں۔

جلدِ اول شائع ہونے کی دیر تھی کہ دوسری جلد کی جلد از جلد اشاعت پر زور دیا جانے لگا۔ ادارے کی طرف سے بھی فون پہ فون آنے لگے کہ جلدِ دوم کے سلسلے میں جو کام باقی ہے، اسے جلد از جلد مکمل کر لیں... چنانچہ فوری طور پر اس کی تیاری شروع کر دی گئی۔ پھر جلدِ اول کی حد درجے پسندیدگی اور تصاویر کی دیدہ زیبی کے خطوط آنے لگے۔ دفتر کے نمبر پر ٹیلی فون بھی موصول ہونے لگے۔ ان سب باتوں سے محسوس ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ''سیرت النبیؐ '' کو ''روشن ستارے'' سے بھی زیادہ مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ خود میں نے جتنی جلدیں منگوائی تھیں... بہت جلد ختم ہو گئیں، اور مجھے مزید منگوانی پڑیں... اور ابھی یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہے گا؟... انشاء اللہ۔

مجھے امید ہے کہ پہلی جلد کی مانند یہ جلد بھی آپ کو اسی طرح پسند آئے گی۔ یوں بھی اس جلد کا تو آپ نے انتظار بھی بہت شدت سے کیا ہے...اور شدید انتظار کے بعد جب کوئی چیز ملتی ہے تو اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا پسند کروں گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک پر اس قدر کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا انشاء اللہ۔لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے تمام تر گوشوں پر پھر بھی کوئی نہیں لکھ سکے گا... ہر لکھنے والا یہی تشنگی محسوس کرتا ہوگا کہ افسوس! میں اس پہلو پر نہیں لکھ سکا اور مجھ سے یہ پہلو رہ گیا...یہ تڑپ، یہ کسک ہر لکھنے والا محسوس کرتا رہے گا...خود میرا بھی یہی حال ہے اور بہت شدت سے ہے۔

امید ہے کہ پہلی جلد کی طرح آپ دوسری جلد کے بارے میں بھی ٹیلی فون اور خطوط کے ذریعہ اپنے جوش و خروش کا اظہار کریں گے۔

اسی کے ساتھ آپ کو ایک اور خوش خبری سناتا ہوں۔''روشن ستارے'' آپ پڑھ ہی چکے ہوں گے۔''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بقدم'' سے پہلے میں نے بچوں کا اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بابرکت حالات پر لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔عام طور پر یہ ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ تھا...جن کا تذکرہ اخبارات و رسائل میں مشکل سے ملتا ہے۔روشن ستارے میں (مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر) ان تمام صحابہ کرامؓ کے حالات کو شامل نہیں کیا جا سکا تھا...بہت سے صحابہ کرامؓ کے حالات شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ایم آئی ایس نے روشن ستارے کی بھی دوسری جلد شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور اس کی بھی تیاریاں شروع کر دی ہیں (اگرچہ دوسری جلد کا نام شاید کچھ اور رکھا جائے گا)۔

ایم آئی ایس

امید ہے کہ یہ خوش خبری پڑھ کر آپ کو خوشی ہوئی ہوگی... بات ہے بھی خوشی کی۔اس لیے اس کو حاصل کرنے کے لیے بھی آپ پہلے سے ہی تیار ہو جائیں۔

والسلام

عبداللہ فارانی



مدینہ منورہ میں آمد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایک برتن لاؤ۔''

حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا ایک برتن اٹھا لائیں... وہ اتنا بڑا تھا کہ اس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہو سکتے تھے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا دودھ نکالا۔ اس کے تھنوں میں دودھ بہت بھر گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وہ دودھ حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کو دیا۔ انھوں نے خوب سیر ہو کر پیا، اس کے بعد ان کے گھر والوں نے پیا۔ آخر میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود دودھ نوش فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

''قوم کو پلانے والا خود سب سے بعد میں پیتا ہے۔''

سب کے دودھ پی لینے کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر بکری کا دودھ نکال کر اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔

شام کے وقت حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابو معبد رضی اللہ عنہ لوٹے، وہ اپنی بکریوں کو چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ خیمے پر پہنچے تو وہاں بہت سا دودھ نظر آیا۔ دودھ دیکھ کر حیران ہو گئے، بیوی سے بولے:

''اے اُمّ معبد! یہ یہاں دودھ کیسا رکھا ہے... گھر میں تو کوئی دودھ دینے والی بکری

نہیں ہے؟''

مطلب یہ تھا کہ یہاں جو بکری تھی، وہ تو دودھ دے ہی نہیں سکتی تھی۔ پھر یہ دودھ کہاں سے آیا؟

حضرت اُمِ معبد رضی اللہ عنہا بولیں:

''آج یہاں سے ایک بہت مبارک شخص کا گزر ہوا تھا۔''

یہ سن کر حضرت ابومعبد رضی اللہ عنہ اور حیران ہوئے، پھر بولے:

''ان کا حلیہ تو بتاؤ۔''

جواب میں اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ان کا چہرہ نورانی تھا، ان کی آنکھیں ان کی لمبی پلکوں کے نیچے چمکتی تھیں، وہ گہری سیاہ تھیں، ان کی آواز میں نرمی تھی، وہ درمیانے قد کے تھے۔ (یعنی چھوٹے قد کے نہیں تھے)۔ نہ بہت زیادہ لمبے تھے، ان کا کلام ایسا تھا جیسے کسی لڑی میں موتی پرو دیے گئے ہوں، بات کرنے کے بعد جب خاموش ہوتے تھے تو ان پر باوقار سنجیدگی ہوتی تھی۔ اپنے ساتھیوں کو کسی بات کا حکم دیتے تھے تو وہ جلد از جلد اس کو پورا کرتے تھے، وہ انہیں کسی بات سے روکتے تو فوراً رک جاتے تھے۔ وہ انتہائی خوش اخلاق شخص تھے، ان کی گردن سے نور کی کرنیں پھوٹتی تھیں، ان کے دونوں ابرو ملے ہوئے تھے۔ بال نہایت سیاہ تھے۔ وہ دور سے دیکھنے پر نہایت شان دار اور قریب سے دیکھنے پر نہایت حسین و جمیل لگتے تھے۔ ان کی طرف نظر پڑتی تو پھر دوسری طرف ہٹ نہیں سکتی تھی۔ اپنے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ حسین، جمیل اور بارعب تھے۔ سب سے زیادہ بلند مرتبہ تھے۔''

حضرت اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا کا بیان کردہ حلیہ سن کر ان کے شوہر بولے:

''اللہ کی قسم! یہ حلیہ اور صفات تو انہی قریشی بزرگ کی ہیں، اگر میں اس وقت یہاں ہوتا تو ضرور ان کی پیروی اختیار کر لیتا اور میں اب اس کی کوشش کروں گا۔''

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت اُمِّ معبد اور حضرت ابومعبد رضی اللہ عنہما ہجرت

کر کے مدینہ منورہ آئے تھے اور انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کی جس بکری کا دودھ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دوہا تھا، وہ بکری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہی۔



ادھر مکّہ میں جب قریش کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کچھ پتا نہ چلا تو وہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آئے۔ ان میں ابوجہل بھی تھا۔ دروازے پر دستک دی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باہر نکلیں۔ ابوجہل نے پوچھا:

''تمہارے والد کہاں ہیں؟''

وہ بولیں:

''مجھے نہیں معلوم۔''

یہ سن کر ابوجہل نے انہیں ایک زوردار تھپڑ مارا۔ تھپڑ سے ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر گر گئی۔

اس پر بھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انہیں کچھ نہ بتایا۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی بڑبڑاتے ہوئے ناکام لوٹ گئے۔



ادھر مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ اللہ کے رسول مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے ہیں... اب تو وہ بے چین ہوگئے۔ انتظار کرنا ان کے لیے مشکل ہوگیا۔ روزانہ صبح سویرے اپنے گھروں سے نکل پڑتے اور حرہ کے مقام تک آجاتے جو مدینہ منورہ کے باہر ایک پتھریلی زمین ہے۔ جب دوپہر ہوجاتی اور دھوپ میں تیزی آجاتی تو مایوس ہوکر واپس لوٹ آتے۔

پھر ایک دن ایسا ہوا... مدینہ منورہ کے لوگ گھروں سے حرہ کے مقام تک آئے۔ جب

کافی دیر ہوگئی اور دھوپ میں تیزی آ گئی تو وہ پھر مایوس لوٹنے لگے۔ ایسے میں ایک یہودی حرّہ کے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھا۔ اسے مکّہ کی طرف سے کچھ سفید لباس والے آتے دکھائی دیے۔ اس قافلے سے اُٹھنے والی گرد سے نکل کر جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم واضح طور پر نظر آئے تو وہ یہودی پکار اُٹھا:

''اے گروہِ عرب! جن کا تمھیں انتظار تھا، وہ لوگ آ گئے۔''

یہ الفاظ سنتے ہی مسلمان واپس دوڑے اور حرّہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ انھوں نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے ساتھیوں کو ایک درخت کے سائے میں آرام کرتے پایا۔

ایک روایت میں ہے کہ پانچ سو سے کچھ زائد انصاریوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا استقبال کیا۔

وہاں سے چل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لائے۔ اس روز پیر کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ایک شخص کلثوم بن معدم رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ بنی عمرو کا یہ گھرانہ قبیلہ اوس میں سے تھا۔ ان کے بارے میں روایت ملتی ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام مسجد قبا ہے۔ اس مسجد کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مکمل طور پر وضو کیا، پھر مسجدِ قبا میں نماز پڑھی تو اسے ایک حج اور عمرے کا ثواب ملے گا... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد میں اکثر تشریف لاتے رہے۔ اس مسجد کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ایک آیت بھی نازل فرمائی۔

قبا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے۔ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر مسلمانوں کو ہوئی، ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں

نے مدینہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر جتنا خوش دیکھا، اتنا کسی اور موقع پر نہیں دیکھا... سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دونوں طرف آ کھڑے ہوئے اور عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا منظر دیکھ سکیں۔ عورتیں اور بچے خوشی میں یہ اشعار پڑھنے لگے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع

ترجمہ: "چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا اس سرزمین پر باقی ہے، ہم پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اے آنے والے شخص جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ ایسے احکامات لے کر آئے ہیں جن کی پیروی اور اطاعت واجب ہے۔"

راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو چکے تھے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جوان نظر آتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سیاہ تھے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دو سال بڑے تھے۔

اب ہوا یہ کہ جن لوگوں نے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خیال کیا کہ اللہ کے رسول یہ ہیں اور گرم جوشی سے ان سے ملنے لگے۔ یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً محسوس کر لی... اس وقت تک دھوپ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑنے لگی تھی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر سے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سایہ کر دیا۔ تب لوگوں نے جانا کہ اللہ کے رسول یہ ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور ساتھ ساتھ بہت سے لوگ چل رہے تھے۔ ان میں سے کچھ سوار تھے تو کچھ پیدل۔ اس وقت مدینہ منورہ کے لوگوں کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

''اللہ اکبر! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔''

راستے میں آپ کی آمد کی خوشی میں حبشیوں نے نیزہ بازی کے کمالات اور کرتب دکھائے... ایسے میں ایک شخص نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ جو یہاں سے آگے تشریف لے جا رہے ہیں تو کیا ہمارے گھروں سے بہتر کوئی گھر چاہتے ہیں؟''

اس کے جواب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے ایک ایسی بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو دوسری بستیوں کو کھا لے گی۔''

اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری بستیوں کے لوگوں پر اثر انداز ہو جائے گی یا دوسری بستیوں کو فتح کر لے گی۔

یہ جواب سن کر لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔ اس بستی کے بارے میں سب کو بعد میں معلوم ہو گیا کہ وہ مدینہ منورہ ہے۔

مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ یثرب ایک شخص کا نام تھا۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد جمعہ کے روز ہوئی، چنانچہ اس روز پہلا جمعہ پڑھا گیا۔



مسجد نبوی کی تعمیر

جمعہ کی یہ پہلی نماز مدینہ منورہ کے محلے بنی سالم بن عوف میں ہوئی۔اس میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد سو کے قریب تھی۔بنی سالم کی جس مسجد میں آپ نے جمعہ ادا کیا،اب اس مسجد کو ''مسجد جمعہ'' کہا جاتا ہے۔یہ قبا کی طرف جانے والے راستے کے بائیں طرف ہے۔اس طرح یہ پہلی نماز جمعہ تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز سے پہلے خطبہ بھی دیا تھا۔اس پہلے خطبے میں جو کچھ ارشاد فرمایا،اس کا کچھ حصہ یہ تھا:

''پس جو شخص اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہتا ہے تو ضرور بچالے۔چاہے وہ آدھے چھوہارے کے برابر ہی کیوں نہ ہو،جسے کچھ بھی نہ آتا ہو،وہ کلمہ طیبہ کو لازم کرلے،کیونکہ نیکی کا ثواب دوگنا سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے اور سلام ہو اللہ کے رسول پر اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔''

نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ جانے کے لیے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی،یعنی اسے اپنی مرضی سے چلنے کی اجازت دی۔اونٹنی نے پہلے دائیں اور بائیں دیکھا،جیسے چلنے سے پہلے فیصلہ کررہی ہو کہ کس سمت میں جانا ہے،ایسے میں بنی سالم کے لوگوں (یعنی جن کے محلے میں جمعے کی نماز ادا کی گئی تھی) نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیے، یہاں لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہاں آپ کی پوری حفاظت ہوگی... یہاں دولت بھی ہے، ہمارے پاس ہتھیار بھی ہیں... ہمارے پاس باغات بھی ہیں اور زندگی کی ضروریات کی سب چیزیں بھی موجود ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر مسکرائے، ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:

''میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ جہاں جانا چاہے، اسے جانے دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹنی خود چلے گی اور اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو دعا دی:

''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔''

اس کے بعد اونٹنی روانہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بنی بیاضہ کے محلے میں پہنچی۔ یہاں کے لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے ہاں ٹھہریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو بنی سالم کو دیا تھا۔ اسی طرح بنی ساعدہ کے علاقے سے گزرے۔ ان حضرات نے بھی یہ درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب فرمایا۔ اونٹنی آگے بڑھی۔ اب یہ بنی عدی کے محلے میں داخل ہوئی، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی۔ ان لوگوں نے عرض کیا:

''ہم آپ کے ننھیال والے ہیں، اس لیے یہاں قیام فرمائیے۔ یہاں آپ کی رشتے داری بھی ہے، ہم تعداد میں بھی بہت ہیں۔ آپ کی حفاظت بھی بڑھ چڑھ کر کریں گے، پھر یہ کہ ہم آپ کے رشتے دار بھی ہیں، سو ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے، اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ اونٹنی اور آگے بڑھی اور اسی محلے میں ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ جگہ بنی مالک بن نجار کے محلے کے پاس تھی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے کے

قریب تھی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد ابن زید نجار انصاری تھا۔ یہ قبیلہ خزرج کے تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر موجود تھے۔ ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت قریبی معاونین میں سے رہے۔ ان کی وفات یزید کے دور میں قسطنطنیہ کے جہاد کے دوران ہوئی۔

اونٹنی بیٹھ گئی، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اُترے نہیں تھے کہ وہ اچانک پھر کھڑی ہوگئی... چند قدم چلی اور ٹھہر گئی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لگام بدستور چھوڑے رکھی تھی۔ اونٹنی اس کے بعد واپس اس جگہ آئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ وہ دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی۔ اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور منہ کھولے بغیر ایک آواز نکالی۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اُترے۔ ساتھ ہی فرمایا:

''اے میرے پروردگار! مجھے مبارک جگہ پر اُتارنا اور تو ہی بہترین جگہ ٹھہرانے والا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ چار مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر فرمایا:

''ان شاء اللہ! یہی قیام گاہ ہوگی۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان اتارنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''کیا میں آپ کا سامان اپنے گھر لے جاؤں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ سامان اتار کر لے گئے۔ اسی وقت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آگئے۔ انھوں نے اونٹنی کی مہار تھام لی اور اونٹنی کو لے گئے، چنانچہ اونٹنی ان کی مہمان بنی۔

بنی نجار کے ہاں اترنے پر ان کی بچیوں نے دف ہاتھوں میں لے لیے اور خوشی سے سرشار ہوکر ان کو بجانے لگیں۔ وہ یہ گیت گا رہی تھیں

ترجمہ: ''ہم بنی نجار کے پڑوسیوں میں سے ہیں۔ کس قدر خوش قسمتی کی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں۔''

ان کی آواز سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل آئے۔ ان کے نزدیک آئے اور فرمایا:

''کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟''

وہ بولیں:

''ہاں! اے اللہ کے رسول۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ جانتا ہے، میرے دل میں بھی تمہارے لیے محبت ہی محبت ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر اس وقت تک ٹھہرے جب تک کہ مسجد نبوی اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ تیار نہیں ہو گیا۔ آپ تقریباً گیارہ ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ساتھ ہی اکثر مہاجرین بھی مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ اس وقت انصاری مسلمانوں کا جذبہ قابل دید تھا۔ ان سب کی خواہش تھی کہ مہاجرین ان کے ہاں ٹھہریں۔ اس طرح ان کے درمیان بحث ہوئی۔ آخر انصاری حضرات نے مہاجرین کے لیے قرعہ اندازی کی۔ اس طرح جو مہاجر جس انصاری کے حصے میں آئے، وہ انہی کے ہاں ٹھہرے، انصاری مسلمانوں نے انہیں نہ صرف اپنے گھروں میں ٹھہرایا بلکہ ان پر اپنا مال اور دولت بھی خرچ کیا۔

مہاجرین کی آمد سے پہلے انصاری مسلمان ایک جگہ با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کی فکر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ اونٹنی چل پڑی، وہ اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ جس جگہ مسلمان نماز ادا کرتے رہتے تھے، وہ جگہ بھی اس کے آس

پاس ہی تھی، اس وقت وہاں صرف دیواریں کھڑی کی گئی تھیں... ان پر چھت نہیں تھی۔ اونٹنی کے بیٹھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بس! مسجد اس جگہ بنے گی۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم یہ جگہ مسجد کے لیے فروخت کر دو۔''

وہ جگہ دراصل دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ان کے سرپرست تھے۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ ان کے سرپرست معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ یہ زمین لے لیں، میں اس کی قیمت ان دونوں کو ادا کر دیتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا خرید لیا۔ یہ قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال میں سے ادا کی گئی (واہ! کیا قسمت پائی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ قیامت تک مسجد نبوی کے نمازیوں کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جا رہا ہے۔)

یہ روایت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یتیم لڑکوں کو بلوایا۔ زمین کے سلسلے میں ان سے بات کی۔ ان دونوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم یہ زمین ہدیہ کرتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یتیموں کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا ان سے خرید لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں دس دینار ادا کر دیں، چنانچہ انھوں نے رقم ادا کر دی۔

زمین کی خرید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر شروع کرنے کا ارادہ فرمایا، اینٹیں بنانے کا حکم دیا، پھر گارا تیار کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پہلی اینٹ رکھی۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دوسری اینٹ وہ

رکھیں۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی ہوئی اینٹ کے برابر دوسری اینٹ رکھ دی۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا۔ انھوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے برابر تیسری اینٹ رکھی۔ اب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے برابر چوتھی اینٹ رکھی۔ ساتھ ہی آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔'' (مستدرک حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو حکم فرمایا:

''اب پتھر لگانا شروع کرو۔''



مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کا آغاز

مسلمان پتھروں سے بنیادیں بھرنے لگے۔ بنیادیں تقریباً تین ہاتھ (ساڑھے 4 فٹ) گہری تھیں۔ اس کے لیے اینٹوں کی تعمیر اٹھائی گئی۔ دونوں جانب پتھروں کی دیواریں بنا کر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت بنائی گئی اور کھجور کے تنوں کے ستون بنائے گئے۔ دیواروں کی اونچائی انسانی قد کے برابر تھی۔

ان حالات میں کچھ انصاری مسلمانوں نے کچھ مال جمع کیا۔ وہ مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اس مال سے مسجد بنایئے اور اس کو آراستہ کیجیے، ہم کب تک چھپر کے نیچے نماز پڑھیں گے۔''

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے مسجدوں کو سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔''

اسی سلسلے میں ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''قیامت قائم ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں آرائش اور زیبائش کرنے لگیں گے جیسے یہود اور نصاریٰ اپنے کلیساؤں اور گرجوں میں زیب وزینت کرتے ہیں۔''

مسجد نبوی کی چھت کھجور کی چھال اور پتوں کی تھی اور اس پر تھوڑی سی مٹی تھی۔ جب بارش ہوتی تو اندر پانی ٹپکتا... یہ پانی مٹی ملا ہوتا... اس سے مسجد کے اندر کیچڑ ہو جاتا۔ یہ بات محسوس کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو چھت پر زیادہ مٹی بچھا دی جائے تا کہ اس میں سے پانی نہ رسے، مسجد میں نہ ٹپکے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! یونہی رہنے دو۔''

مسجد کی تعمیر کے کام میں تمام مہاجرین اور انصار نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ہاتھوں سے کام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر میں اینٹیں بھر بھر کر لاتے یہاں تک کہ سینہ مبارک غبار آلود ہو جاتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اینٹیں اٹھاتے دیکھا تو وہ اور زیادہ جانفشانی سے اینٹیں ڈھونے لگے۔ (یہاں اینٹوں سے مراد پتھر ہیں۔) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ باقی صحابہ تو ایک ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو پتھر اٹھا کر لا رہے تھے تو ان سے پوچھا:

''عمار! تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح ایک ایک پتھر کیوں نہیں لاتے۔''

انھوں نے عرض کیا:

''اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب چاہتا ہوں۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت نفیس اور صفائی پسند آدمی تھے۔ وہ بھی مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو رہے تھے۔ پتھر اٹھا کر چلتے تو اس کو اپنے کپڑوں سے دور رکھتے تا کہ کپڑے خراب نہ ہوں۔ اگر مٹی لگ جاتی تو فوراً چٹکی سے اس کو جھاڑنے لگتے۔ دوسرے صحابہ یہ دیکھ کر مسکرا دیتے۔

مسجد کی تعمیر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پانچ ماہ تک بیت المقدس کی

طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلے کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا۔ مسجد کا پہلے فرش کچا تھا، پھر اس پر کنکریاں بچھا دی گئیں۔ یہ اس لیے بچھائی گئیں کہ ایک روز بارش ہوئی، فرش گیلا ہو گیا۔ اب جو بھی آتا، اپنی جھولی میں کنکریاں بھر کر لاتا اور اپنی جگہ پر ان کو بچھا کر نماز پڑھتا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سارا فرش ہی کنکریوں کا بچھا دو۔

پھر جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مسجد کے ساتھ زمین کا ایک ٹکڑا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تھا، یہ ٹکڑا انھوں نے ایک یہودی سے خریدا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو وسیع کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! آپ مجھ سے زمین کا یہ ٹکڑا جنت کے ایک مکان کے بدلے میں خرید لیں۔“

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ٹکڑا ان سے لے لیا۔ مسجد نبوی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اگر میری یہ مسجد صنعا کے مقام تک بھی بن جائے (یعنی اتنی وسیع ہو جائے) تو بھی یہ میری مسجد ہی رہے گی، یعنی مسجد نبوی ہی رہے گی۔“

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ، آپ نے مسجد نبوی کے وسیع ہونے کی پہلے ہی اطلاع دے دی تھی اور ہوا بھی یہی۔ بعد کے ادوار میں اس میں توسیع ہوتی رہی ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے اور آگے بھی جاری رہے گا۔

مسجد نبوی کے ساتھ ہی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو حجرے بنائے گئے۔ یہ حجرے مسجد نبوی سے بالکل ملے ہوئے تھے۔ ان حجروں کی چھتیں بھی مسجد کی طرح کھجور کی چھال سے بنائی گئی تھیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے

گھر میں قیام پذیر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکان میں نچلی منزل میں قیام فرمایا تھا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی:

''حضور! آپ اوپر والی منزل میں قیام فرمائیں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

''مجھے نیچے ہی رہنے دیں... کیونکہ لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آئیں گے، اسی میں سہولت رہے گی۔''

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک رات ہماری پانی کی گھڑیا ٹوٹ گئی۔ ہم گھبرا گئے کہ کہیں پانی نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی نہ ہو... تو ہم نے فوراً اس پانی کو اپنے لحاف میں جذب کرنا شروع کر دیا... اور ہمارے پاس وہ ایک ہی لحاف تھا اور دن سردی کے تھے۔''

اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر والی منزل پر قیام کرنے کی درخواست کی... آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی۔

ان کے گھر میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے ہاں سے بھی آتا تھا۔

اس تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زید بن رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ بھیجا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو لے آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفر میں خرچ کرنے کے لیے 500 درہم اور دو اونٹ دیے۔ رہبر کے طور پر ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط کو بھیجا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اخراجات برداشت کیے۔ ان کے گھر والوں کو لانے کی ذمے داری بھی انہیں سونپی گئی۔ اس طرح یہ حضرات مکہ معظمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

صاحب زادیوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اہلیہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، اور دایہ ام ایمن رضی اللہ عنہا (جو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں) اوران کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایا کے بیٹے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حد درجے عزیز تھے۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا چونکہ شادی شدہ تھیں اوران کے شوہر اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بعد میں ہجرت کی تھی اور اپنے شوہر کو کفر کی حالت میں مکہ ہی میں چھوڑ آئی تھیں۔ ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ غزوہ بدر کے موقع پر کافروں کے لشکر میں شامل ہوئے، گرفتار ہوئے، لیکن انہیں چھوڑ دیا گیا، پھر یہ مسلمان ہو گئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلے ہی حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ یہ بعد میں حبشہ سے مدینہ پہنچے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر والے بھی ساتھ ہی مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ رومان، حضرت عائشہ صدیقہ اوران کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے بارے میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا:

"جس شخص کو جنت کی حوروں میں سے کوئی حور دیکھنے کی خواہش ہو، وہ اُمّ رومان کو دیکھ لے۔"

ہجرت کے اس سفر میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے قبا میں ٹھہرنا پڑا۔ یہاں ان کے ہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ بچے کی

پیدائش کے بعد یہ مدینہ پہنچیں اور اپنا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں برکت حاصل کرنے کے لیے پیش کیا۔ یہ ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں پہلا بچہ تھا۔ ان کی پیدائش پر مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی، کیونکہ کفار نے مشہور کر دیا تھا کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مدینہ آئے ہیں، ان کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی کیونکہ ہم نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر ان لوگوں کی یہ بات غلط ثابت ہوگئی، اس لیے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔

مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوگئی تو رات کے وقت اس میں روشنی کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس غرض کے لیے پہلے پہل کھجور کی شاخیں جلائی گئیں۔ پھر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو وہ اپنے ساتھ قندیلیں، رسیاں اور زیتون کا تیل لائے۔



اسلامی بھائی چارہ

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے یہ قندیلیں مسجد میں لٹکا دیں، پھر رات کے وقت ان کو جلا دیا۔ یہ دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہماری مسجد روشن ہوگئی، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بھی روشنی کا سامان فرمائے، اللہ کی قسم! اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کی شادی تم سے کر دیتا۔''

بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں قندیل جلائی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حجرے اپنی بیویوں کے لیے بنوائے تھے۔ (باقی حجرے ضرورت کے مطابق بعد میں بنائے گئے)۔ ان دو میں سے ایک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور دوسرا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا۔

مدینہ منورہ میں وہ زمینیں جو کسی کی ملکیت نہیں تھیں، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے لیے نشانات لگا دیے، یعنی یہ زمینیں ان میں تقسیم کر دیں۔ کچھ زمینیں آپ کو انصاری حضرات نے ہدیہ کی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تقسیم فرما دیا اور ان جگہوں پر ان مسلمانوں کو بسایا جو پہلے قبا میں ٹھہر گئے تھے، لیکن بعد میں جب انھوں نے دیکھا کہ قبا میں جگہ نہیں ہے تو وہ بھی مدینہ چلے آئے تھے۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی بیویوں کے لیے جو حجرے بنوائے، وہ کچے تھے۔ کھجور کی شاخوں، پتوں اور چھال سے بنائے گئے تھے۔ ان پر مٹی لیپی گئی تھی۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں اور یہ تو آپ کو پتا ہی ہوگا کہ تابعی اسے کہتے جس نے کسی صحابی کو دیکھا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں چھوٹا تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں امہات المومنین کے حجروں میں جاتا تھا، ان کی چھتیں اس قدر نیچی تھیں کہ اس وقت اگرچہ میرا قد چھوٹا تھا، لیکن میں ہاتھ سے چھتوں کو چھولیا کرتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابھی دو سال باقی تھے۔ وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی خیرہ کے بیٹے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کسی کام سے بھیجا کرتی تھیں۔ صحابہ کرام انہیں برکت کی دعائیں دیا کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھی لے گئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان الفاظ میں دعا دی تھی:

"اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور لوگوں کے لیے یہ پسندیدہ ہوں۔"

مسجد نبوی کے قریب چاروں طرف حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی حیات مبارکہ میں متعدد نکاح فرمائے تھے، جن میں دینی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں، جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح فرماتے تو حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک مکان یعنی حجرہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہدیہ کردیتے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کا قیام ہوجاتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سارے مکان اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کردیے۔

اسی زمانے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مہاجرین اور انصاری مسلمانوں کے سامنے یہودیوں سے صلح کا معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کی ایک تحریر بھی لکھوائی۔ معاہدے

میں طے پایا کہ یہودی مسلمانوں سے کبھی جنگ نہیں کریں گے، کبھی انہیں تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور یہ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقابلے میں وہ کسی کی مدد نہیں کریں گے اور اگر کوئی اچانک مسلمانوں پر حملہ کرے تو یہ یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان شرائط کے مقابلے میں مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کی جان و مال اور ان کے مذہبی معاملات میں آزادی کی ضمانت دی گئی۔ یہ معاہدہ جن یہودی قبائل سے کیا گیا، ان کے نام بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ اس بھائی چارے سے مسلمانوں کے درمیان محبت اور خلوص کا بے مثال رشتہ قائم ہوا۔ اس بھائی چارے کو مواخات کہتے ہیں۔ بھائی چارے کا یہ قیام حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوا۔ یہ بھائی چارہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ہوا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''اللہ کے نام پر تم سب آپس میں دو دو بھائی بن جاؤ۔''

اس بھائی چارے کے بعد انصاری مسلمانوں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ خود مہاجرین پر اس سلوک کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ پکار اُٹھے:

''اے اللہ کے رسول! ہم نے ان جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ اس قدر ہمدردی اور غم گساری کی ہے، اس قدر فیاضی کا معاملہ کیا ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی... یہاں تک کہ محنت اور مشقت کے وقت وہ ہمیں الگ رکھتے ہیں اور صلہ ملنے کا وقت آتا ہے تو ہمیں اس میں برابر کا شریک کر لیتے ہیں... ہمیں تو ڈر ہے... بس آخرت کا سارا ثواب یہ تنہا نہ سمیٹ لے جائیں۔''

ان کی یہ بات سن کر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور انہیں دعائیں دیتے رہو گے۔''

بعض علماء نے لکھا کہ بھائی چارہ کرانا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے اپنے امتیوں میں اس طرح بھائی چارہ نہیں کرایا۔

اس سلسلے میں روایات ملتی ہیں کہ انصاری مسلمانوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی ہر چیز میں سے نصف حصہ دے دیا...... کسی کے پاس دو مکان تھے تو ایک اپنے بھائی کو دے دیا۔ اسی طرح ہر چیز کا نصف اپنے بھائی کو دے دیا...... یہاں تک کہ ایک انصاری کی دو بیویاں تھیں...... انھوں نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں...... عدت پوری ہونے کے بعد تم اس سے شادی کر لینا، لیکن مہاجر مسلمان نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد یہ مسئلہ سامنے آیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کیسے بلایا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اس سلسلے میں ایک مشورہ یہ دیا گیا کہ نماز کا وقت ہونے پر ایک جھنڈا لہرا دیا جائے۔ لوگ اس کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ایک دوسرے کو بتا دیا کریں گے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند نہ فرمایا۔ پھر کسی نے کہا کہ بگل بجا دیا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی ناپسند فرمایا کیونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا تھا۔ اب کسی نے کہا کہ ناقوس بجا کر اعلان کر دیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا، اس لیے کہ یہ عیسائیوں کا طریقہ تھا۔

کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آگ جلا دی جایا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو بھی پسند نہ فرمایا، اس لیے کہ یہ طریقہ مجوسیوں کا تھا۔

ایک مشورہ یہ دیا گیا:

ایک شخص مقرر کر دیا جائے کہ وہ نماز کا وقت ہونے پر گشت لگا لیا کرے، چنانچہ اس رائے کو قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے والا مقرر کر دیا گیا۔

انہی دنوں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا۔ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس کے جسم پر دو سبز کپڑے تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک ناقوس (بگل) تھا...... حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا:

''کیا تم یہ ناقوس فروخت کرتے ہو؟''...... اس نے پوچھا:

''تم اس کا کیا کرو گے۔''

میں نے کہا: ''ہم اس کو بجا کر نمازیوں کو جمع کیا کریں گے''۔ اس پر وہ بولا:

''کیا میں تمہیں اس کے لیے اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں۔''

میں نے کہا: ''ضرور بتایئے''...... اب اس نے کہا...... ''تم یہ الفاظ پکار کر لوگوں کو جمع کیا کرو۔''

اور اس نے اذان کے الفاظ دہرا دیے۔ یعنی پوری اذان پڑھ کر انہیں سنا دی۔ پھر تکبیر کہنے کا طریقہ بھی بتایا۔

صبح ہوئی تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ خواب سنایا... خواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک! یہ سچا خواب ہے ان شاء اللہ! تم جا کر یہ کلمات بلال کو سکھا دو...... تاکہ وہ ان کے ذریعے اذان دیں۔ ان کی آواز تم سے بلند ہے...... اور زیادہ دل کش بھی ہے۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے کلمات سیکھنے پر صبح کی اذان دی...... اس طرح سب سے پہلی اذان فجر کی نماز کے لیے دی گئی۔



یہودیوں کے سوالات

جونہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان گونجی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے، وہ جلدی سے چادر سنبھالتے ہوئے اٹھے اور تیز تیز چلتے مسجد نبوی میں پہنچے۔ مسجد میں پہنچ کر انہیں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی خواب کی تصدیق سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کا شکر ہے۔"

اب پانچوں وقت کی نمازوں کے لیے حضرت بلالؓ اذان دیتے۔ ان پانچ نمازوں کے علاوہ کسی موقع پر لوگوں کو جمع کرنا ہوتا، مثلاً سورج گرہن اور چاند گرہن ہو جاتا یا بارش طلب کرنے کے لیے نماز پڑھنا ہوتی تو وہ "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" کہہ کر اعلان کرتے تھے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن رہے۔ ان کی غیر موجودگی میں حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مدینہ منورہ کے یہودی قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے:

''بہت جلد ایک نبی ظاہر ہوں گے، ان کی ایسی ایسی صفات ہوں گی۔ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں بتایا کرتے تھے) ہم ان کے ساتھ مل کر تم لوگوں کو سابقہ قوموں کی طرح تہس نہس کر دیں گے۔ جس طرح قوم عاد اور قوم ثمود کو تباہ کیا گیا، ہم بھی تم لوگوں کو اسی طرح تباہ کر دیں گے۔''

جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور مبارک ہوگیا تو یہی یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو گئے اور سازشیں کرنے لگے۔

جب اوس اور خزرج کے لوگ اسلام کے دامن میں آ گئے تو بعض صحابہ نے ان یہودیوں سے کہا:

''اے یہودیو! تم تو ہم سے کہا کرتے تھے کہ ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں، ان کی ایسی ایسی صفات ہوں گی... ہم ان پر ایمان لا کر تم لوگوں کو تباہ و برباد کر دیں گے، لیکن اب جب کہ ان کا ظہور ہو گیا ہے تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے، تم تو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ تک بتایا کرتے تھے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ بات کہی تو یہودیوں میں سلام بن مشکم بھی تھا۔ یہ قبیلہ بنی نضیر کے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ اس نے ان کی بات سن کر کہا:

''ان میں وہ نشانیاں نہیں ہیں جو ہم تم سے بیان کیا کرتے تھے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 89 نازل فرمائی۔

ترجمہ: اور جب انہیں ایک کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی بھی تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے یعنی تورات، حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (اس نبی کے وسیلے سے) کفار کے خلاف اللہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے، پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ خوب جانتے پہچانتے تھے (یعنی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی نبوت) تو اس کا صاف انکار کر بیٹھے بس اللہ کی مار ہو ایسے کافروں پر۔

اس بارے میں ایک روایت میں ہے کہ ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک بڑے سردار مالک بن صیف سے فرمایا:

''میں تمھیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، کیا تورات میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تازے ''حبر'' یعنی یہودی راہب سے نفرت کرتا ہے، کیونکہ تم بھی ایسے ہی موٹے تازے ہو، تم وہ مال کھا کھا کر موٹے ہوئے جو تمھیں یہودی لا لا کر دیتے ہیں۔''

یہ بات سن کر مالک بن صیف بگڑ گیا اور بول اٹھا:

''اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔''

گویا اس طرح اس نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات کا بھی انکار کر دیا... اور ایسا صرف جھنجلاہٹ کی وجہ سے کہا۔ دوسرے یہودی اس پر بگڑے۔ انھوں نے اس سے کہا:

''یہ ہم نے تمہارے بارے میں کیا سنا ہے۔''

جواب میں اس نے کہا:

''محمد نے مجھے غصہ دلایا تھا... بس میں نے غصے میں یہ بات کہہ دی۔''

یہودیوں نے اس کی اس بات کو معاف نہ کیا اور اسے سرداری سے ہٹا دیا۔ اس کی جگہ کعب بن اشرف کو اپنا سردار مقرر کر دیا۔

اب یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنا شروع کر دیا، ایسے سوالات پوچھنے کی کوشش کرنے لگے جن کے جوابات ان کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دے سکیں گے۔ مثلاً ایک روز انھوں نے پوچھا:

عبداللہ فارانی ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں بتائیں، روح کیا چیز ہے؟۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں وحی کا انتظار فرمایا، جب وحی نازل

ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روح میرے ربّ کے حکم سے بنی ہے۔''

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

ترجمہ:''اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ روح میرے ربّ کے حکم سے بنی ہے۔''(سورۃ بنی اسرائیل: آیت 85)

پھر انھوں نے قیامت کے بارے میں پوچھا کہ کب آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اس کا علم میرے ربّ ہی کے پاس ہے... اس کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہیں کرے گا۔''(سورۃ الاعراف)

اسی طرح دو یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا:

''آپ بتائیے! اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو کن باتوں کی تاکید فرمائی تھی۔

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، بدکاری نہ کرو، اور حق کے سوا (یعنی شرعی قوانین کے سوا) کسی ایسے شخص کی جان نہ لو جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے، چوری مت کرو، سحر اور جادوٹونہ کر کے کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ، کسی بادشاہ اور حاکم کے پاس کسی کی چغل خوری نہ کرو، سود کا مال نہ کھاؤ، گھروں میں بیٹھنے والی (پاک دامن) عورتوں پر بہتان نہ باندھو۔ اور اے یہودیو! تم پر خاص طور پر یہ بات لازم ہے کہ ہفتے کے دن کسی پر زیادتی نہ کرو، اس لیے کہ یہ دن یہودیوں کا متبرک دن ہے۔''

یہ نو ہدایات سن کر دونوں یہودی بولے:

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تب پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟''

انھوں نے جواب دیا:

''ہمیں ڈر ہے، اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہودی ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔''

دو یہودی عالم ملک شام میں رہتے تھے۔ انہیں ابھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ دونوں ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے۔ مدینہ منورکو دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''یہ شہر اس نبی کے شہر سے کتنا ملتا جلتا ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے ہیں۔''

اس کے کچھ دیر بعد انہیں پتا چلا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے اس شہر مدینہ منورہ میں آ چکے ہیں۔ یہ خبر ملنے پر دونوں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''ہم آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں، اگر آپ نے جواب دے دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

انھوں نے کہا:

''ہمیں اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی گواہی اور شہادت کے متعلق بتائیے۔''

ان کے سوال پر سورۂ آلِ عمران کی آیت 19 نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ان کے سامنے تلاوت فرمائی:

ترجمہ: اللہ نے اس کی گواہی دی ہے کہ سوائے اس کی ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی گواہی دی ہے اور وہ اس شان کے مالک ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام کو قائم رکھنے والے ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، وہ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔ بلاشبہ دین حق اور مقبول، اللہ تعالیٰ

کے نزدیک صرف اسلام ہے۔''

یہ آیت سن کر دونوں یہودی اسلام لے آئے۔ اسی طرح یہودیوں کے ایک اور بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا نام حصین بن سلام تھا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ بنی قینقاع سے تھا۔ جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہائش پذیر ہوئے، یہ اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جونہی انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک دیکھا، فوراً سمجھ گئے کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ پھر جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا تو فوراً پکار اُٹھے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور سچائی لے کر آئے ہیں۔''

پھر ان کا اسلامی نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلام رکھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ اپنے گھر گئے۔ اپنے اسلام لانے کی تفصیل گھر والوں کو سنائی تو وہ بھی اسلام لے آئے۔



ابتدائی غزوات

چند یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھا:

آپ یہ بتائیں، اس وقت لوگ کہاں ہوں گے جب قیامت کے دن زمین اور آسمان کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی؟''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

''اس وقت لوگ پل صراط کے قریب اندھیرے میں ہوں گے۔''

اسی طرح ایک مرتبہ یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بادلوں کی گرج اور کڑک کے بارے میں پوچھا۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ اس فرشتے کی آواز ہے جو بادلوں کا نگران ہے، اس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا ہے، اس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہوا اس طرف لے جاتا ہے جہاں پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔''

ان یہودیوں ہی میں سے ایک گروہ منافقین کا تھا۔ یہ بات ذرا وضاحت سے سمجھ لیں۔ مدینہ منورہ میں جب اسلام کو عروج حاصل ہوا تو یہودیوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔ بہت سے یہودی اس خیال سے مسلمان ہو گئے کہ اب ان کی جانیں خطرے میں ہیں۔ سو اپنی جانیں بچانے کے لیے وہ جھوٹ موٹ کے مسلمان ہو گئے۔ اب اگرچہ کہنے کو وہ مسلمان

تھے، لیکن ان کی ہمدردیاں اور محبتیں اب بھی یہودیوں کے ساتھ تھیں۔ ظاہر میں وہ مسلمان تھے، اندر سے وہی یہودی تھے، ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول نے منافق قرار دیا ہے۔ ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔

انہی منافقوں میں عبداللہ ابن اُبی بھی تھا... یہ منافقوں کا سردار تھا۔

یہ منافقین ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کب اور کس طرح مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں... مسلمانوں کو پریشان کرنے اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع یہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جیسا کہ آئندہ چل کر آپ پڑھیں گے۔

ہجرت کے پہلے سال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی... یعنی وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر آ گئیں۔ بعض روایات کے مطابق رخصتی ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب نبوت عطا کی گئی تھی تو اس وقت جنگ کے بغیر تبلیغ کا حکم ہوا تھا... اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ان کافروں سے اُلجھیے مت بلکہ دامن بچائے رکھیے اور صبر کیجیے۔ یہ حکم مکّہ کی زندگی تک رہا۔

پھر ہجرت کے بعد اس طرح جنگ کرنے کی اجازت ملی کہ اگر مشرک جنگ کی ابتدا کریں تو مسلمان ان سے دفاعی جنگ کر سکتے ہیں، البتہ حرام (قابل احترام) مہینوں میں جنگ نہ کریں یعنی رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ اور محرم میں... کچھ مدت بعد جنگ کی عام اجازت ہوگئی یعنی کافروں کے حملہ نہ کرنے کی صورت میں بھی مسلمان ان سے اقدامی جنگ کریں... اور کسی بھی مہینے میں جنگ کر سکتے ہیں۔

جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت مل گئی تو 12 ربیع الاول 2 ہجری میں پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے نکل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ودان کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک بڑی بستی تھی اور ابواء کے مقام سے چھ یا آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔ ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک

گاؤں تھا۔ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف مہاجرین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ضمرہ پر حملہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 70 صحابہ تھے... بنی ضمرہ کے سردار نے جنگ کے بغیر صلح کر لی... صلح کا معاہدہ لکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسم کا سب سے پہلا غزوہ تھا۔ اس کو غزوہ بنی ضمرہ کہا جاتا ہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کا جھنڈا سفید تھا اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔

صلح کے معاہدے میں طے پایا تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے مقابلے پر نہیں آئیں گے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی بلائیں گے، انہیں مدد کے لیے آنا ہوگا۔ اس غزوے میں مسلمانوں کو پندرہ دن لگے۔

اس کے بعد غزوۂ بواط ہوا۔ اس میں اسلامی لشکر میں دو سو مہاجرین تھے۔ جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ یہ ربیع الثانی 2 ہجری میں پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اس قافلے کا سردار قریش کا سردار امیہ بن خلف تھا۔ اس کے ساتھ قریش کے سو آدمی تھے۔ قافلے میں دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے، ان پر تجارتی سامان لدا ہوا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو اپنا قائم مقام حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بواط کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے، اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام غزوہ بواط پڑا۔ لیکن بواط پہنچنے پر دشمنوں سے سامنا نہ ہو سکا، کیونکہ قریشی قافلہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں سے رخصت ہو چکا تھا... اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بغیر ہی واپس تشریف لے آئے۔

جُمادی الاولی کے مہینے میں غزوہ عشیرہ پیش آیا۔ اس مرتبہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قریشی قافلے کو روکنے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ قافلہ ملک شام کی طرف جا رہا

تھا۔قریش نے اس قافلے میں اپنا بہت مال واسباب شامل کر رکھا تھا... غرض مکّہ کے سبھی لوگوں نے اس میں مال شامل کیا تھا۔اس قافلے کے ساتھ پچاس ہزار دینار تھے۔ایک ہزار اونٹ تھے۔قافلے کے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے (جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔ستائیس آدمی بھی ہمراہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ابوسلمہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ڈیڑھ سو کے قریب صحابہ کرام تھے۔مدینہ منورہ سے روانہ ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشیرہ کے مقام تک پہنچے۔اس غزوے میں بھی اسلامی جھنڈے کا رنگ سفید تھا،جھنڈا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

اسلامی لشکر بیس اونٹوں پر سوار ہوا۔سب لوگ باری باری سوار ہوتے رہے۔عشیرہ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قافلہ وہاں سے گزر کر شام کی طرف جاچکا ہے،چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر جنگ کے بغیر واپس تشریف لے آئے... تاہم اس دوران بنی مدلج سے امن اور سلامتی کا معاہدہ طے پایا۔

اسی سفر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کا لقب ملا۔یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو زمین پر اس طرح سوتے پایا کہ ان کے اوپر مٹی لگ گئی۔آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پاؤں سے ہلایا اور فرمایا:

''اے ابوتراب (یعنی اے مٹی والے) اٹھو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ عشیرہ سے واپس آئے تو چند دن بعد ہی پھر ایک مہم پیش آگئی۔ایک شخص کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر حملہ کردیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ سفوان کی وادی میں پہنچے۔یہ وادی میدانِ بدر کے قریب ہے۔اسی مناسبت سے اس غزوے کو غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔کرز بن جابر

مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی جا چکا تھا... اس غزوے کے لیے نکلنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اس مرتبہ بھی جھنڈا سفید تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔

اسی سال 2 ہجری کے دوران قبلے کا رخ تبدیل ہوا اور اس وقت تک مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے تھے۔

قبلہ کی تبدیلی کا حکم ظہر کی نماز کے وقت آیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ عصر کی نماز میں حکم آیا تھا۔ قبلے کی تبدیلی اس لیے ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آرزو کی تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہو۔ خاص طور پر یہ آرزو اس لیے کی تھی کہ یہودی کہتے تھے ''محمد ہماری مخالفت بھی کرتے ہیں اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اگر ہم سیدھے راستے پر نہ ہوتے تو تم ہمارے قبلے کی طرف رخ کر کے نمازیں نہ پڑھا کرتے''۔

ان کی بات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ ہمارا قبلہ بیت اللہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہ دعا منظور فرمائی۔

قبلے کی تبدیلی کا حکم نماز کی حالت میں آیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے نماز کے دوران ہی اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رخ تبدیل کر لیا۔ یہ نماز مسجد قبلتین میں ہو رہی تھی۔



قریش کا تجارتی قافلہ

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی، یہ مسجد سے نکل کر راستے میں دو انصاریوں کے پاس سے گزرے... وہ نماز پڑھ رہے تھے اور اس وقت رکوع میں تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔"

قبا والوں کو یہ خبر اگلے دن صبح کی نماز کے وقت پہنچی۔ وہ لوگ اس وقت دوسری رکعت میں تھے کہ منادی نے اعلان کیا:

"لوگو! خبردار! اب قبلے کا رخ کعبہ کی طرف تبدیل ہو گیا ہے۔"

نماز پڑھتے ہوئے لوگ قبلے کی طرف گھوم گئے۔ اس طرح مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ بنا۔

اسی سال یعنی 3 ہجری میں رمضان کے روزے اور صدقۂ فطر کا حکم نازل ہوا۔ پھر مسجد نبوی میں منبر نصب کیا گیا، جب تک منبر نہیں بنا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے اور خطبہ دیتے تھے، جب منبر بن گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے اس تنے کی بجائے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا تو وہ تنا رونے لگا... اس کے

رونے کی ایسی آواز بلند ہوئی کہ تمام لوگوں نے اس کی آواز کو سنا۔ آواز اس قدر دردناک تھی کہ ساری مسجد ہل گئی، وہ اس طرح رو رہا تھا جیسے کوئی اونٹنی اپنے بچے کے گم ہونے پر روتی ہے۔

اس کے رونے کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اتر کر اس کے پاس پہنچے اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا، اس کے بعد اس میں سے ایک بچے کے سسکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''پرسکون اور خاموش ہو جا۔''

تب کہیں جا کر اس کا رونا بند ہوا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنے کو منبر کے نیچے دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا:

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

یعنی یہ مقام جنت ہی کا ایک مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام کو جنت میں شامل کر دیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قریش کے ایک تجارتی قافلے پر حملے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تھے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشیرہ کے مقام پر پہنچے تو قافلہ اس مقام سے گزر کر شام کی طرف روانہ ہو چکا تھا... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہ قافلہ شام سے واپس آ رہا ہے اور اس سامانِ تجارت کا منافع مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

''قریش کا تجارتی قافلہ آ رہا ہے، اس میں ان کا مال و دولت ہے۔ تم اس پر حملہ کرنے کے لیے بڑھو۔ ممکن ہے، اللہ تمہیں اس سے فائدہ دے۔''

ادھر اس قافلے کے سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے... یہ قریش کے بھی سردار تھے۔

(اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے) ان کی عادت تھی کہ جب ان کا قافلہ حجاز کی سرزمین پر پہنچتا تو جاسوسوں کو بھیج کر راستے کی خبریں معلوم کر لیتے تھے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف بھی تھا، چنانچہ ان کے جاسوس نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تجارتی قافلے کو گھیرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ خوف زدہ ہو گئے۔ انھوں نے فوراً ایک شخص کو مکہ کی طرف روانہ کیا اور ساتھ میں اسے یہ ہدایات دیں:

''تم اپنے اونٹ کے کان کاٹ دو، کجاوہ الٹ دو، اپنی قمیص کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑ دو، اسی حالت میں مکہ میں داخل ہونا۔ انہیں بتانا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کے ساتھ ان کے قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں۔'' ایسا اس کیا تا کہ مشرکین جلد مدد کو آجائیں۔

وہ شخص بہت تیزی سے روانہ ہوا۔ ابھی یہ مکہ پہنچا نہیں تھا کہ وہاں عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ (یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بعد میں یہ اسلام لے آئی تھیں یا نہیں، روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے... کچھ روایات کہتی ہیں، ایمان لے آئی تھیں، کچھ میں ہے کہ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا) خواب بہت خوف ناک تھا، یہ ڈر گئیں۔ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا خواب سنایا... لیکن اس شرط پر سنایا کہ وہ کسی اور کو نہیں سنائیں گے... انھوں نے پوچھا:

''اچھا ٹھیک ہے... تم خواب سناؤ، تم نے کیا دیکھا ہے؟''

عاتکہ بنت عبدالمطلب نے کہا:

''میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ابطح کے پاس آ کر رکا۔ (ابطح مکہ معظمہ سے کچھ فاصلے پر ہے) وہاں کھڑے ہو کر اس نے پوری آواز سے پکار پکار کر کہا'' لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں میں چلنے کے لیے تیار

ہو جاؤ'' پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے ہیں، پھر وہ وہاں سے چل کر بیت اللہ میں داخل ہوا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ پھر وہ شخص اونٹ سمیت کعبہ کی چھت پر نظر آیا۔ وہاں بھی اس نے پکار کر یہ الفاظ کہے، اس کے بعد وہ ابو قبیس کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں بھی اس نے پکار کر یہ الفاظ کہے۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر لڑھکا یا۔ پتھر وہاں سے لڑھکتا پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو اچانک ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ پھر مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر نہ بچا جہاں اس کے ٹکڑے نہ پہنچے ہوں۔''

یہ خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم عاتکہ! تم نے بہت عجیب خواب دیکھا ہے... تم خود بھی اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے تو راستے میں انہیں ولید بن عتبہ ملا، یہ ان کا دوست تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے خواب اس سے بیان کر دیا اور وعدہ لیا کہ کسی کو بتائے گا نہیں۔ ولید نے جا کر یہ خواب اپنے بیٹے عتبہ کو سنا دیا۔ اس طرح خواب آگے ہی آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ ہر طرف عام ہو گیا۔ مکہ میں اس خواب پر زور شور سے تبصرہ ہونے لگا۔ آخر تین دن بعد وہ شخص اونٹ پر سوار مکہ میں داخل ہوا جسے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔ وہ مکہ کی وادی کے درمیان میں پہنچ کر اونٹ پر کھڑا ہو گیا اور پکارا:

''اے قریش! اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو، تمہارا جو مال و دولت ابوسفیان لے کر آرہے ہیں، اس پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حملہ کرنے والے ہیں... جلدی مدد کو پہنچو۔''

اس تجارتی قافلے میں سارے قریشیوں کا مال لگا ہوا تھا، چنانچہ سب کے سب جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ جو لوگ مال دار تھے، انھوں نے غریب لوگوں کی مدد کی... تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد جنگ کے لیے جائیں۔ جو بڑے سردار تھے، وہ لوگوں کو جنگ پر ابھارنے لگے۔ ایک سردار سہیل بن عمرو نے اپنی تقریر میں کہا:

''اے قریشیو! کیا تم یہ بات برداشت کر لو گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے

بے دین ساتھی تمہارے مال اور دولت پر قبضہ کرلیں، لہٰذا جنگ کے لیے نکلو... جس کے پاس مال کم ہو، اس کے لیے میرا مال حاضر ہے۔''

اس طرح سب سردار تیار ہوئے، لیکن ابولہب نے کوئی تیاری نہ کی، وہ عاتکہ کے خواب کی وجہ سے خوف زدہ ہو گیا تھا، وہ کہتا تھا:

''عاتکہ کا خواب بالکل سچا ہے، اور اسی طرح ظاہر ہوگا۔''

ابولہب خود نہیں گیا، لیکن اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام کو چار ہزار درہم دے کر جنگ کے لیے تیار کیا، یعنی وہ اس کی طرف سے چلا جائے۔

ادھر خوب تیاریاں ہو رہی تھیں، ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے باہر بئر عتبہ نامی کنویں کے پاس لشکر کو پڑاؤ کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کنویں سے پانی پینے کا حکم دیا اور خود بھی پیا۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''مسلمانوں کو گن لیا جائے۔''

سب کو گنا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا معائنہ بھی فرمایا۔ جو کم عمر تھے، انہیں واپس فرما دیا۔ واپس کیے جانے والوں میں حضرت اسامہ بن زید اور رافع بن خدیجہ، براء بن عازب، اسید بن زہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

جب انہیں واپس چلے جانے کا حکم ہوا تو عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 16 سال تھی۔



بدر کی طرف روانگی

روحاء کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو گننے کا حکم دیا۔ گننے پر معلوم ہوا، مجاہدین کی تعداد 313 ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا:

"یہ وہی تعداد ہے جو طالوت کے ساتھیوں کی تھی، جو ان کے ساتھ نہر تک پہنچے تھے۔" (طالوت بنی اسرائیل کے ایک نیک مجاہد بادشاہ تھے، ان کی قیادت میں 313 مسلمانوں نے جالوت نامی کافر بادشاہ کی فوج کو شکست دی تھی)

لشکر میں گھوڑوں کی تعداد صرف پانچ تھی۔ اونٹ ستر کے قریب تھے۔ اس لیے ایک ایک اونٹ تین تین یا چار چار آدمیوں کے حصے میں دیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں جو اونٹ آیا، اس میں دو اور ساتھی بھی شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس اونٹ پر اپنی باری کے حساب سے سوار ہوتے اور ساتھیوں کی باری پر انہیں سوار ہونے کا حکم فرماتے... اگرچہ وہ اپنی باری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کی خواہش ظاہر کرتے... وہ کہتے:

"اے اللہ کے رسول! آپ سوار رہیں... ہم پیدل چل لیں گے۔"

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"تم دونوں پیدل چلنے میں مجھ سے زیادہ مضبوط نہیں ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں

اس کی رحمت سے بے نیاز ہوں۔'' (یعنی میں بھی تم دونوں کی طرح اجر کا خواہش مند ہوں)۔

روحاء کے مقام پر ایک اونٹ تھک کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو پتا چلا، اونٹ تھک کر بیٹھ گیا ہے اور اٹھ نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی لیا۔ اس سے کلی کی۔ کلی والا پانی اونٹ والے کے برتن میں ڈالا اور اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اونٹ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اس قدر تیز چلا کہ لشکر کے ساتھ جا ملا۔ اس پر تھکاوٹ کے کوئی آثار باقی نہ رہے۔

اس غزوے کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ ہی میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا، وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کی زوجہ محترمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تمہیں یہاں ٹھہرنے کا بھی اجر ملے گا اور جہاد کرنے کا اجر بھی ملے گا۔''

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔

طلحہ بن عبید اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو جاسوسی کی ذمے داری سونپی تاکہ یہ دونوں لشکر سے آگے جا کر قریش کے تجارتی قافلے کی خبر لائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ ہی سے روانہ فرما دیا تھا۔ روحاء کے مقام سے اسلامی لشکر آگے روانہ ہوا۔ عرقِ ظبیہ کے مقام پر ایک دیہاتی ملا۔ اس سے دشمن کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اب لشکر پھر آگے بڑھا، اس طرح اسلامی لشکر ذفران کی وادی تک پہنچ گیا۔ اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کو بچانے کے لیے مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع ملنے پر تمام لشکر کو ایک جگہ جمع فرمایا اور ان سے

مشورہ کیا کیونکہ مدینہ منورہ سے مسلمان صرف ایک تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے... کسی باقاعدہ لشکر کے مقابلے کے لیے نہیں نکلے تھے... اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باری باری اپنی رائے دی... حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے، اس کے مطابق عمل فرمائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑ لیجیے، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں..... بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں لڑیں گے، آخر دم تک لڑیں گے۔''

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دعا دی۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تقاریر کیں... ان کی تقاریر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری حضرات کی طرف دیکھا، کیونکہ ابھی تک ان میں سے کوئی کھڑا نہیں ہوا تھا۔ اب انصاری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سمجھ گئے، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے... تو عرض ہے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں، آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور گواہی دے چکے ہیں، ہم ہر حال میں آپ کا حکم مانیں گے، فرماں برداری کریں گے۔''

ان کی تقریر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب اُٹھو، کوچ کرو، تمہارے لیے خوش خبری ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہمیں فتح دے گا۔''

ذفران کی وادی سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر پہنچے۔ اس وقت

تک قریشی لشکر بھی بدر کے قریب پہنچ چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قریش کے لشکر کی خبریں معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انہیں دو ماشکی (پانی بھرنے والے) ملے... وہ قریشی لشکر کے ماشکی تھے۔ ان دونوں سے لشکر کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئیں... انھوں نے لشکر میں شامل بڑے بڑے سرداروں کے نام بھی بتا دیے... اس پر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''مکہ نے اپنا دل اور جگر نکال کر تمہارے مقابلے کے لیے بھیجے ہیں۔''

یعنی اپنے تمام معزز اور بڑے بڑے لوگ بھیج دیے ہیں۔

اس دوران ابوسفیان رضی اللہ عنہ قافلے کا راستہ بدل چکے تھے اور اس طرح ان کا قافلہ بچ گیا... جب کہ اس قافلے کو بچانے کے لیے جو لشکر آیا تھا، اس سے اسلامی لشکر کا آمنا سامنا ہوگیا۔ ادھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ قافلہ تو اب بچ گیا ہے، اس لیے انھوں نے ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ واپس مکہ کی طرف لوٹ چلو... کیونکہ ہم اسلامی لشکر سے بچ کر نکل آئے ہیں لیکن ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔

قریشی لشکر نے بدر کے مقام پر اس جگہ پڑاؤ ڈالا، جس جگہ پانی نزدیک ہی تھا۔ دوسری طرف اسلامی لشکر نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا، پانی وہاں سے فاصلے پر تھا۔ اس سے مسلمانوں کو پریشانی ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہاں بارش برسا دی اور ان کی پانی کی تکلیف رفع ہوگئی۔ جب کہ اسی بارش کی وجہ سے کافر پریشان ہوئے۔ وہ اپنے پڑاؤ سے نکلنے کے قابل نہ رہے... مطلب یہ کہ بارش مسلمانوں کے لیے رحمت اور کافروں کے لیے زحمت ثابت ہوئی۔

صبح ہوئی تو اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا:

''لوگو! نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

چنانچہ صبح کی نماز ادا کی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں ایسی بات کے لیے ابھارتا ہوں جس کے لیے تمہیں اللہ نے ابھارا ہے، تنگی اور سختی کے موقعوں پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ تمام تکالیف سے بچالیتا ہے اور تمام غموں سے نجات عطا فرماتا ہے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو لے کر آگے بڑھے... اور قریش سے پہلے پانی کے قریب پہنچ گئے۔ مقامِ بدر پر پانی کا چشمہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں رکتے دیکھ کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! قیام کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے، میں اس علاقے سے بہت اچھی طرح واقف ہوں... آپ وہاں پڑاؤ ڈالیں جو دشمن کے پانی سے قریب ترین ہو۔ ہم وہاں ایک حوض بنا کر پانی اس میں جمع کرلیں گے۔ اس طرح ہمارے پاس پینے کا پانی ہوگا... ہم پانی کے دوسرے گڑھے اور چشمے پاٹ دیں گے، اس طرح دشمن کو پانی نہیں ملے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو بہت پسند فرمایا... ایک روایت کے مطابق اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لائے اور بتایا کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی رائے بہت عمدہ ہے۔

اس رائے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو لے کر آگے بڑھے اور اس چشمے پر آ گئے جو اس جگہ سے قریب ترین تھا جہاں قریش نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ مسلمانوں نے یہاں قیام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوسرے گڑھے بھرنے کا حکم دیا۔



میدانِ بدر میں

پھر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کچے کنویں پر ایک حوض بنوایا جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پانی بھروا دیا اور ڈول ڈلوا دیے۔ اس طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل ہوا۔ اس کے بعد سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو ذی رائے کہا جانے لگا تھا۔

اس موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک عریش بنا دیں۔ (عریش کھجور کی شاخوں اور پتوں کا ایک سائبان ہوتا ہے) آپ اس میں تشریف رکھیں۔ اس کے پاس آپ کی سواریاں تیار رہیں اور ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں۔''

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا مشورہ قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سائبان بنایا گیا۔ یہ ایک اونچے ٹیلے پر بنایا گیا تھا۔ اس جگہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے میدان جنگ کا معائنہ فرما سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

''آپ کے ساتھ یہاں کون رہے گا تاکہ مشرکوں میں سے کوئی آپ کے قریب نہ آ سکے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اللہ کی قسم! یہ سن کر ہم میں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اپنی تلوار کا سایہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر پر کرتے ہوئے بولے:

''جو شخص بھی آپ کی طرف بڑھنے کی جرأت کرے گا، اسے پہلے اس تلوار سے نمٹنا پڑے گا۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان جرأت مندانہ الفاظ کی بنیاد پر حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں سب سے بہادر شخص قرار دیا۔

یہ بات جنگ شروع ہونے سے پہلے کی ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس سائبان کے دروازے پر کھڑے تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی انصاری صحابہ کے ایک دستے کے ساتھ وہاں موجود تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھے۔

اس طرح صبح ہوئی۔ پھر قریشی لشکر ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس سے پہلے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کچھ مشرکوں کے نام لے لے کر فرمایا کہ فلاں اس جگہ قتل ہوگا، فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس جگہ قتل ہوگا، وہ بالکل وہیں قتل ہوئے، ایک انچ بھی ادھر ادھر پڑے نہیں پائے گئے۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب دیکھا کہ قریش کا لشکر لوہے کے لباس پہنے اور ہتھیاروں سے خوب لیس بڑھا چلا آ رہا ہے تو اللہ ربّ العزت سے یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ قریش کے لوگ، یہ تیرے دشمن اپنے تمام بہادروں کے ساتھ بڑے غرور کے عالم میں تجھ سے جنگ کرنے (یعنی تیرے احکامات کی خلاف ورزی کرنے) اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لیے آئے ہیں۔ اے اللہ! آپ نے مجھ سے اپنی مدد اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا وہ مدد بھیج دے۔ اے اللہ! تو نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور

مجھے ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا ہے، مشرکوں کے اس لشکر پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ اے اللہ! انہیں آج ہلاک فرما دے۔''

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

''اے اللہ! اس امت کے فرعون ابوجہل کو کہیں پناہ نہ دے، ٹھکانہ نہ دے۔''

غرض جب قریشی لشکر ٹھہر گیا تو انھوں نے عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ کو جاسوسی کے لیے بھیجا۔ یہ عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔

قریش نے عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''جا کر محمد کے لشکر کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں خبر دو۔''

عمیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ انھوں نے اسلامی لشکر کے گرد ایک چکر لگایا۔ پھر واپس قریش کے پاس آئے اور یہ خبر دی:

''ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ممکن ہے کچھ زیادہ ہوں... مگر اے قریش! میں نے دیکھا ہے، ان لوگوں کو لوٹ کر اپنے گھروں میں جانے کی کوئی تمنا نہیں اور میں سمجھتا ہوں، ان میں سے کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مارا جائے گا جب تک کہ کسی کو قتل نہ کر دے۔ گویا تمہارے بھی اتنے ہی آدمی مارے جائیں گے... جتنا کہ ان کے... اس کے بعد پھر زندگی کا کیا مزہ رہ جائے گا، اس لیے جنگ شروع کرنے سے پہلے اس بارے میں غور کر لو۔''

ان کی بات سن کر کچھ لوگوں نے ابوجہل سے کہا:

''جنگ کے ارادے سے باز آ جاؤ اور واپس چلو، بھلائی اسی میں ہے۔''

واپس چلنے کا مشورہ دینے والوں میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابو جہل نے ان کی بات نہ مانی اور جنگ پر تل گیا اور جو لوگ واپس چلنے کے لیے کہہ رہے تھے، انہیں بزدلی کا طعنہ دیا۔ اس طرح جنگ ٹل نہ سکی۔

ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ اسود مخزومی نے قریش کے سامنے اعلان کیا:

''میں اللہ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ یا تو مسلمانوں کے بنائے ہوئے حوض سے پانی پیوں گا... یا اس کو توڑ دوں گا یا پھر اس کوشش میں جان دے دوں گا۔''

پھر یہ اسود میدان میں نکلا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار کا وار کیا، اس کی پنڈلی کٹ گئی، اس وقت یہ حوض کے قریب تھا۔ ٹانگ کٹ جانے کے بعد یہ زمین پر چت گرا، خون تیزی سے بہہ رہا تھا، اس حالت میں یہ حوض کی طرف سرکا اور حوض سے پانی پینے لگا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فوراً اس کی طرف لپکے اور دوسرا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد قریش کے کچھ اور لوگ حوض کی طرف بڑھے۔ ان میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آتے دیکھ کر فرمایا:

''انہیں آنے دو، آج کے دن ان میں سے جو بھی حوض سے پانی پی لے گا، وہ یہیں کفر کی حالت میں قتل ہوگا۔''

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے پانی نہیں پیا، یہ قتل ہونے سے بچ گئے اور بعد میں اسلام لائے۔ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

اب سب سے پہلے عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید میدان میں آگے نکلے اور للکارے:

''ہم سے مقابلے کے لیے کون آتا ہے؟''

اس للکار پر مسلمانوں میں سے تین انصاری نوجوان نکلے۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ ان کے نام معوذ، معاذ اور عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی والدہ کا نام عفراء تھا۔ ان تینوں نوجوانوں کو دیکھ کر عتبہ نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

انھوں نے جواب دیا:

''ہم انصاری ہیں۔''

اس پر عتبہ نے کہا:

''تم ہمارے برابر کے نہیں... ہمارے مقابلے میں مہاجرین میں سے کسی کو بھیجو، ہم اپنی قوم کے آدمیوں سے مقابلہ کریں گے۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس آنے کا حکم فرمایا۔ یہ تینوں اپنی صفوں میں واپس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور انہیں شاباش دی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''اے عبیدہ بن حارث اُٹھو! اے حمزہ اُٹھو! اے علی اُٹھو۔''

یہ تینوں فوراً اپنی صفوں سے نکل کر ان تینوں کے سامنے پہنچ گئے۔ ان میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ زیادہ عمر کے تھے، بوڑھے تھے۔ ان کا مقابلہ عتبہ بن ربیعہ سے ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو وار کرنے کا موقع نہ دیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں ولید کا کام تمام کر دیا... البتہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان تلواروں کے وار شروع ہو گئے۔



تلواروں کے سائے میں

دونوں کے درمیان کچھ دیر تک تلواروں کے وار ہوتے رہے، یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ اس وقت تک حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے دشمن (مقابل) کا صفایا کر چکے تھے، لہٰذا وہ دونوں ان کی طرف بڑھے اور عتبہ کو ختم کر دیا۔ پھر زخمی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لشکر میں لے آئے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لٹا دیا گیا۔ انھوں نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! کیا میں شہید نہیں ہوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔"

اس کے بعد صفراء کے مقام پر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ انہیں وہیں دفن کیا گیا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف لوٹ رہے تھے۔

جنگ سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں کو ایک نیزے کے ذریعے سیدھا کیا تھا۔ صفوں کو سیدھا کرتے ہوئے حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، یہ صف سے قدرے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر سے ان کے پیٹ کو چھوا اور فرمایا:

''سواد! صف سے آگے نہ نکلو، سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔''

اس پر حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ نے مجھے اس تیر سے تکلیف پہنچائی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے، لہٰذا مجھے بدلہ دیں۔''

آپ نے فوراً اپنا پیٹ کھولا اور ان سے فرمایا:

''لو! تم اب اپنا بدلہ لے لو۔''

حضرت سواد آگے بڑھے اور آپ کے سینے سے لگ گئے اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ دیکھ رہے ہیں، جنگ سر پر ہے، اس لیے میں نے سوچا، آپ کے ساتھ زندگی کے جو آخری لمحات بسر ہوں، وہ اس طرح بسر ہوں کہ میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس کر رہا ہو... (یعنی اگر میں اس جنگ میں شہید ہو گیا تو یہ میری زندگی کے آخری لمحات ہیں)۔

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ ایک روایت میں آتا ہے، ''جس مسلمان نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو چھو لیا، آگ اس جسم کو نہیں چھوئے گی''۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ''جو چیز بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو لگ گئی، آگ اسے نہیں جلائے گی''۔

پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو سیدھا کر دیا تو فرمایا:

''جب دشمن قریب آ جائے تو انہیں تیروں سے پیچھے ہٹانا اور اپنے تیر اس وقت تک نہ چلاؤ جب تک کہ وہ نزدیک نہ آ جائیں (کیونکہ زیادہ فاصلے سے تیراندازی اکثر بے کار

ثابت ہوتی ہے اور تیر ضائع ہوتے رہتے ہیں)۔اسی طرح تلواریں بھی اس وقت تک نہ سونتنا جب تک کہ دشمن بالکل قریب نہ آ جائے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خطبہ دیا:

''مصیبت کے وقت صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور فرماتے ہیں اور غموں سے نجات عطا فرماتے ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سائبان میں تشریف لے گئے۔اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔سائبان کے دروازے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کچھ انصاری مسلمانوں کے ساتھ ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے تا کہ دشمن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے سے روک سکیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہاں سواریاں بھی موجود تھیں، تا کہ ضرورت کے وقت آپ سوار ہو سکیں۔

مسلمانوں میں سے سب سے پہلے مہجع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔عامر بن حضرمی نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سائبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر کر یوں دعا کی:

''اے اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔''

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سائبان سے نکل کر صحابہ کے درمیان تشریف لائے اور انہیں جنگ پر ابھارنے کے لیے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، جو شخص بھی آج ان مشرکوں کے مقابلے میں صبر اور ہمت کے ساتھ لڑے گا، ان کے سامنے سینہ تانے جما رہے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔یہ الفاظ سن کر

کھجوریں ہاتھ سے گرادیں اور بولے:

''واہ واہ! تو، میرے اور جنت کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ ان کافروں میں سے کوئی مجھے قتل کردے!!۔''

یہ کہتے ہی تلوار سونت کر دشمنوں سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت عوف بن عفراء رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اللہ کے رسول! بندے کے کس عمل پر اللہ کو ہنسی آتی ہے۔'' (یعنی اس کے کون سے عمل سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں)

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی مجاہد زرہ بکتر پہنے بغیر دشمن پر حملہ آور ہو۔''

یہ سنتے ہی انھوں نے اپنے جسم پر سے زرہ بکتر اتار کر پھینک دی اور تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت معبد بن وہب رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے یعنی ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے خاوند تھے۔

جنگ کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھائی اور مشرکوں پر پھینک دی۔ ایسا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا۔

کنکریوں کو مٹھی میں پھینکتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ چہرے خراب ہو جائیں۔''

ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ آئے ہیں:

''اے اللہ! ان کے دلوں کو خوف سے بھر دے، ان کے پاؤں اُکھاڑ دے۔''

اللہ کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کوئی کافر ایسا نہ بچا جس پر وہ کنکریاں نہ

رہی ہوں۔ان کنکریوں نے کافروں کو بدحواس کر دیا۔آخر نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شکست کھا کر بھاگے۔مسلمان ان کا پیچھا کرنے لگے،انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے۔

کنکریوں کی مٹھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''اور اے نبی! کنکریوں کی مٹھی آپ نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی۔'' (سورۃ الانفال :آیت 17)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے شکست کھا جانے کے بعد اعلان فرمایا:

''مسلمانوں میں جس نے جس کافر کو مارا ہے...اس کا سامان اسی مسلمان کا ہے اور جس مسلمان نے جس کافر کو گرفتار کیا،وہ اسی مسلمان کا قیدی ہے۔''

وہ کافر جو بھاگ کر نہ جا سکے،انہیں گرفتار کرلیا گیا۔اس جنگ میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کیا۔پہلے خود باپ نے بیٹے پر وار کیا تھا،لیکن یہ وار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بچا گئے اور خود اس پر وار کیا جس سے وہ مارا گیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں،آپ انہیں نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہیں اگرچہ وہ ان کے بیٹے یا بھائی یا خاندان میں سے کیوں نہ ہوں۔'' (سورۃ المجادلۃ :23)

اس جنگ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو قیدی بنالیا۔اسلام سے پہلے مکہ میں یہ شخص حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دوست رہا تھا...اور یہی وہ امیہ بن خلف تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بے تحاشا ظلم کرتا رہا تھا... حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان دونوں کو لیے میدان جنگ سے گزر رہے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر امیہ بن خلف پر پڑ گئی۔

OO

کفّار کی عبرتناک شکست

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر بلند آواز میں پکارے:

''کافروں کا سردار امیہ بن خلف یہ رہا... اگر امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیہ اپنے بیٹے کے ساتھ ادھر ادھر بھاگتا نظر آیا تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کئی زرہیں تھیں۔ یہ مال غنیمت میدانِ جنگ سے ملا تھا، لیکن جونہی انہیں امیہ اور اس کا بیٹا نظر آیا، انھوں نے زرہیں گرا دیں اور ان دونوں کو پکڑ لیا... اس طرح یہ دونوں اب ان کے قیدی بن گئے... یہ انہیں لیے جارہے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا اور پکارنے لگے: ''یہ رہا امیہ بن خلف...''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے الفاظ سنتے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لیکن یہ دونوں اب میرے قیدی ہیں۔''

حضرت بلال نے پھر وہی الفاظ کہے:

''اگر آج امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔''

ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پکارا:

''اے انصاریو! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ بن خلف ہے۔ اگر یہ بچ

گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔"

یہ سن کر انصاری ان کی طرف دوڑ پڑے، انھوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی اور اس پر وار کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ کو بچانے کے لیے اس کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ امیہ جاہلیت کے زمانے میں ان کا دوست تھا۔ اسی دوستی کے ناتے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسے قتل ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ ادھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اس کے قتل کی دھن پوری طرح سوار تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تلوار امیہ کے بیٹے کو لگی، وہ زخمی ہو کر گرا، اسے گرتے دیکھ کر امیہ بھیانک انداز میں چیخا۔ یہ چیخ حد درجے خوفناک اور ہولناک تھی، ساتھ ہی تلواریں بلند ہوئیں اور امیہ کے جسم میں اتر گئیں۔ امیہ کو بچانے کے سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خود بھی معمولی سے زخمی ہوئے۔ وہ کہا کرتے تھے:

"اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائیں، میرے حصے میں نہ زرہیں آئیں، نہ قیدی۔"

ایسے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"کسی کو نوفل بن خویلد کا بھی پتا ہے؟"

جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! اسے میں نے قتل کیا ہے۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ اکبر! اللہ کا شکر ہے جس نے اس شخص کے بارے میں میری دعا قبول فرمائی۔"

جنگ شروع ہونے سے پہلے اس نوفل بن خویلد نے بلند آواز میں کہا تھا:

"اے گروہِ قریش! آج کا دن عزت اور سربلندی کا دن ہے۔"

اس کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

"اے اللہ! نوفل بن خویلد کا انجام مجھے دکھلا۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا:

''قتل ہونے والے کافروں میں ابوجہل کی لاش کو تلاش کیا جائے۔''

ابوجہل نے جنگ شروع ہونے سے پہلے کہا تھا:

''اے اللہ! دونوں دینوں (یعنی اسلام اور کفار کے خودساختہ دین) میں جو دین تیرے نزدیک افضل اور پسندیدہ ہو، اسی کی مدد فرما اور نصرت فرما۔''

حضرت معاذ بن عمرو جموح رضی اللہ عنہ جو اس جنگ کے دوران کم سن صحابہ میں شمار ہوتے تھے، کہتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں نے دیکھا کہ ابوجہل کو اس کے بہت سے ساتھی حفاظت کے لیے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں اور وہ کہہ رہے تھے:

''اے ابوالحکم! (ابوجہل کی کنیت تھی) تم تک کوئی نہیں پہنچ پائے گا۔''

جب میں نے ان کی یہ بات سنی تو ابوجہل کی طرف بڑھا اور اس پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ اس وار سے اس کی پنڈلی کٹ گئی۔

ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ باپ کی مدد کے لیے بڑھے۔ (یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے) انھوں نے مجھ پر تلوار کا وار کیا۔ اس سے میرا بازو کٹ گیا۔ صرف تھوڑی سی کھال کے ساتھ بازو اٹکا رہ گیا۔ میں جنگ میں مصروف رہا، لیکن لٹکنے والے ہاتھ کی وجہ سے لڑنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں تمام دن لڑتا رہا اور وہ بازو لٹکتا رہا۔ آخر جب اس کی وجہ سے رکاوٹ زیادہ ہونے لگی تو میں نے اپنا پاؤں اس پر رکھ کر جھٹکا دیا۔ اس سے وہ کھال بھی کٹ گئی۔ میں نے اپنے بازو کو اٹھا کر پھینک دیا۔

ابوجہل زخمی حالت میں تھا کہ اس دوران اس کے پاس سے معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ گزرے۔ انھوں نے اس پر وار کیا۔ اس وار سے وہ گر گیا اور وہ اسے مردہ سمجھ کر آگے بڑھ گئے، لیکن وہ ابھی زندہ تھا۔

حضرت معوذ رضی اللہ عنہ جنگ کرتے آگے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اتنے میں زخموں سے چور ابوجہل کے پاس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ انھوں نے اپنا پیر اس کی گردن پر رکھ کر کہا:

''اے خدا کے دشمن! کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کر دیا۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے ابو جہل کو قتل کیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''برتری اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین بار فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔ اس خوبصورت اور قیمتی تلوار پر چاندی کا کام کیا گیا تھا۔

بدر کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے بھی مدد فرمائی تھی۔ اس روز حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے نہایت سرفروشی سے جنگ کی۔ ان کے جسم پر بہت بڑے بڑے زخم آئے۔

اس جنگ میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عنایت فرمائی۔ وہ چھڑی ان کے ہاتھ میں آتے ہی معجزاتی طور پر ایک چمک دار تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اس تلوار سے لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس تلوار کا نام عون رکھا گیا۔ یہ تلوار تمام غزوات میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور اسی تلوار سے وہ جنگ کیا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ تلوار ان کی اولاد کو وراثت میں ملتی رہی، ایک سے دوسرے کے پاس پہنچتی رہی۔

اسی طرح حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی جڑ عنایت فرمائی اور فرمایا:

''اس سے لڑو۔''

انھوں نے جونہی اس جڑ کو ہاتھ میں لیا، وہ ایک نہایت بہترین تلوار بن گئی اور اس غزوہ کے بعد ان کے پاس رہی۔

حضرت خبیب بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر نے میرے دادا پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار میں ان کی ایک پسلی الگ ہوگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا کر ٹوٹی پسلی اس کی جگہ رکھ دی۔ وہ پسلی اپنی جگہ پر اسی طرح جم گئی جیسے ٹوٹی ہی نہیں تھی۔

حضرت رفاعہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک تیر میری آنکھ میں آ کر لگا، میری آنکھ پھوٹ گئی۔ میں اسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا، آنکھ اسی وقت ٹھیک ہوگئی اور زندگی بھر اس آنکھ میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مشرکوں کی لاشوں کو ان جگہوں سے اٹھالایا جائے جہاں جہاں ان کے قتل ہونے کی نشان دہی کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے ایک دن پہلے ہی ہمیں بتا دیا تھا کہ ان شاءاللہ کل یہ عتبہ بن ربیعہ کے قتل کی جگہ ہوگی، یہ شیبہ بن ربیعہ کے قتل کی جگہ ہوگی۔ یہ امیہ بن خلف کے قتل کی جگہ ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان جگہوں کی نشان دہی فرمائی تھی... اب جب لاشیں جمع کرنے کا حکم ملا اور صحابہ کرام لاشوں کی تلاش میں نکلے تو کافروں کی لاشیں بالکل انہی جگہوں پر پڑی ملیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لاشوں کو ایک گڑھے میں ڈالنے کا حکم فرمایا۔



فتح کے بعد

جب تمام مشرکوں کو گڑھے میں ڈال دیا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے کے ایک کنارے پر آ کھڑے ہوئے... وہ وقت رات کا تھا۔ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوہ میں فتح حاصل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر تین رات قیام فرمایا کرتے تھے۔ تیسرے دن آپ نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ وہاں سے کوچ کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر ان لاشوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے دیکھ لیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ کتنا سچا تھا، میں نے تو اس وعدے کو سچ پایا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے نام بھی لیے... مثلاً فرمایا:

"اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے امیہ بن خلف اور اے ابوجہل بن ہشام... تم لوگ نبی کا خاندان ہوتے ہوئے، بہت بُرے ثابت ہوئے، تم مجھے جھٹلاتے تھے جب کہ لوگ میری تصدیق کر رہے تھے۔ تم نے مجھے وطن سے نکالا، جب کہ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے مقابلے میں جنگ کی جب کہ غیروں نے میری مدد کی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ان مُردوں سے باتیں کر رہے ہیں جو بے روح لاشیں ہیں۔''

اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس کو تم لوگ اتنا نہیں سن رہے، جتنا یہ سن رہے ہیں مگر یہ لوگ اب جواب نہیں دے سکتے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کی خبر مدینہ منورہ بھیج دی۔ مدینہ منورہ میں فتح کی خبر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ لائے تھے۔ انھوں نے یہ خوش خبری بلند آواز میں یوں سنائی:

''اے گروہِ انصار! تمھیں خوش خبری ہو، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سلامتی اور مشرکوں کے قتل اور گرفتاری کی۔ قریشی سرداروں میں سے فلاں فلاں قتل اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے ہیں۔''

ان کے منہ سے یہ خوش خبری سن کر اللہ کا دشمن کعب بن اشرف یہودی طیش میں آ گیا اور انہیں جھٹلانے لگا، ساتھ ہی اس نے کہا:

''اگر محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ان بڑے بڑے سورماؤں کو مار ڈالا ہے تو زمین کی پشت پر رہنے سے زمین کے اندر رہنا بہتر ہے۔'' (یعنی زندگی سے موت بہتر ہے)۔

فتح کی یہ خبر وہاں اس وقت پہنچی جب مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی وفات پا چکی تھیں اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور وہاں موجود صحابہ کرام ان کو دفن کر کے قبر کی مٹی برابر کر رہے تھے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع دی گئی تو ارشاد فرمایا:

''الحمد اللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، شریف بیٹیوں کا دفن ہونا بھی عزت کی بات ہے۔''

فتح کی خبر سن کر ایک منافق بولا:

"اصل بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھی شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے ہیں اور اب وہ کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں گے، محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی اونٹنی پر زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بیٹھ کر آئے ہیں، اگر محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) زندہ ہوتے تو اپنی اونٹنی پر خود سوار ہوتے مگر یہ زید ایسے بدحواس ہو رہے ہیں کہ انہیں خود بھی پتا نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

"او اللہ کے دشمن! محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو آ لینے دے، پھر تجھے معلوم ہو جائے گا... کسے فتح ہوئی ہے اور کسے شکست ہوئی ہے؟۔"

پھر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں صفراء کی گھاٹی پر پہنچے تو اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ اس مال میں ایک سو پچاس اونٹ اور دس گھوڑے تھے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان، ہتھیار، کپڑے اور بے شمار کھالیں، اون وغیرہ بھی اس مال غنیمت میں شامل تھا۔ یہ چیزیں مشرک تجارت کے لیے ساتھ لے آئے تھے۔

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

"جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا، اس مشرک کا سامان اسی کو ملے گا اور جس نے کسی مشرک کو گرفتار کیا، وہ اسی کا قیدی ہوگا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال میں سے ان لوگوں کے بھی حصے نکالے جو غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی وجہ سے جنگ میں حصہ لینے سے منع کر دیا تھا جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگ میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تھا کیونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت بیمار تھیں اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ان دنوں چیچک نکلی ہوئی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اصحابِ بدر میں شمار فرمایا۔ اسی طرح حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں خود آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ والوں کے پاس بطور محافظ چھوڑا تھا اور

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا اور عالیہ والوں کے پاس چھوڑا تھا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا بھی حصہ نکالا جنہیں جاسوسی کی غرض سے بھیجا گیا تھا تاکہ وہ دشمن کی خبریں لائیں۔ یہ لوگ اس وقت واپس لوٹے تھے جب جنگ ختم ہو چکی تھی۔

اسی مقام پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قریش کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ شخص قرآن کریم اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں بہت سخت الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اسی طرح کچھ آگے چل کر آپ نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم فرمایا۔ یہ بھی بہت فتنہ پرور تھا۔ اس نے ایک بار آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ انور پر تھوکنے کی کوشش بھی کی تھی اور ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سجدے کی حالت میں دیکھ کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لاکر رکھ دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا تھا:

''مکّہ سے باہر میں جب بھی تجھ سے ملوں گا تو اس حالت میں ملوں گا کہ تلوار سے تیرا سر قلم کروں گا۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے اور پھر مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں لوگ مدینہ منورہ سے باہر نکل آئے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا استقبال کرسکیں اور فتح کی مبارکباد دے سکیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو شہر کی بچیوں نے دف بجا کر استقبال کیا۔ وہ اس وقت یہ گیت گا رہی تھیں:

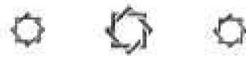
''ہمارے سامنے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے، اس نعمت کے بدلے میں ہم پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔''

دوسری طرف مکہ معظمہ میں قریش کی شکست کی خبر پہنچی۔ خبر لانے والے نے پکار کر کہا:

''لوگو! عتبہ اور شیبہ قتل ہو گئے۔ ابو جہل اور امیہ بھی قتل ہو گئے اور قریش کے سرداروں میں سے فلاں فلاں بھی قتل ہو گئے... فلاں فلاں گرفتار کر لیے گئے۔''

یہ خبر وحشت ناک تھی۔ خبر سن کر ابولہب گھسٹتا ہوا باہر آیا۔ اسی وقت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ بدر میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ ابولہب نے انہیں دیکھتے ہی پوچھا:

''میرے نزدیک آؤ اور سناؤ... کیا خبر ہے؟''



قیدیوں کی رہائی

ابوسفیان بن حارث (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں میدان جنگ کی جو کیفیت سنائی، وہ یہ تھی:

''خدا کی قسم! بس یوں سمجھ لو کہ جیسے ہی ہمارا دشمن سے ٹکراؤ ہوا، ہم نے گویا اپنی گردنیں ان کے سامنے پیش کر دیں، اور انھوں نے جیسے چاہا، ہمیں قتل کرنا شروع کر دیا، جیسے چاہا، گرفتار کیا، پھر بھی میں قریش کو الزام نہیں دوں گا، کیونکہ ہمارا واسطہ جن لوگوں سے پڑا ہے، وہ سفید رنگ کے تھے اور سیاہ اور سفید گھوڑوں پر سوار تھے، وہ زمین اور آسمان کے درمیان پھر رہے تھے۔ اللہ کی قسم ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہرتی نہیں تھی۔''

ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ سنتے ہی میں نے کہا:

''تب تو خدا کی قسم وہ فرشتے تھے۔''

میری بات سنتے ہی ابولہب غصے میں آ گیا اس نے پوری طاقت سے تھپڑ میرے منہ پر دے مارا۔ پھر مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور میرے سینے پر چڑھ کر مجھے بے تحاشا مارنے لگا۔

وہاں میری مالکن یعنی ام فضل بھی موجود تھیں۔ انھوں نے ایک لکڑی کا پایہ اٹھا کر اتنے زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ام فضل نے سخت لہجے میں کہا:

''تو اسے اس لیے کمزور سمجھ کر مار رہا ہے کہ اس کا آقا یہاں موجود نہیں۔''

اس طرح ابولہب ذلیل ہو کر وہاں سے رخصت ہوا۔ جنگ بدر میں اس قدر ذلت آمیز شکست کے بعد ابولہب سات روز سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اسے دفن کرنے کی جرأت بھی کوئی نہیں کر رہا تھا۔ آخر اسی حالت میں اس کی لاش سڑنے لگی، شدید بدبو پھیل گئی۔ تب اس کے بیٹوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑی کے ذریعے اس کی لاش کو گڑھے میں دھکیل دیا۔ پھر دور ہی سے سنگ باری کر کے اس گڑھے کو پتھروں سے پاٹ دیا۔

اس شکست پر مکّہ کی عورتوں نے کئی ماہ تک اپنے قتل ہونے والوں کا سوگ منایا۔ اس جنگ میں اسود بن ذمعہ نامی کافر کی تین اولادیں ہلاک ہوئی تھیں۔ یہ وہ شخص تھا کہ مکّہ میں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور کہتا تھا:

''لوگو! تو دیکھو! تمہارے سامنے روئے زمین کے بادشاہ پھر رہے ہیں جو قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کریں گے!!!''

اس کی تکلیف دہ باتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اندھا ہونے کی بددعا دی تھی، اس بددعا سے وہ اندھا ہو گیا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندھا ہونے اور اس کی اولاد کے ختم ہو جانے کی بددعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ پہلے وہ اندھا ہوا، پھر اس کی اولاد غزوہ بدر میں ماری گئی۔

جنگ کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا کہ ان کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مصلحتوں کے تحت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند فرمایا اور ان لوگوں کی جان بخشی کر دی، ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا۔

تاہم اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کرتے ہوئے سورۃ الانفال کی آیات 67 تا70 نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جانا چاہیے تھا۔

بدر کے قیدیوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں تھیں۔ جب زینب رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ ہوا ہے تو انھوں نے شوہر کے فدیے میں اپنا ہار بھیج دیا۔ یہ ہار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شادی کے موقع پر دیا تھا۔ فدیے میں یہ ہار ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا بھائی لے کر آیا تھا۔ اس نے ہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ہار کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم مناسب سمجھو تو زینب کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا یہ ہار بھی واپس کر دو۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوراً کہا:

''ضرور یا رسول اللہ!

چنانچہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا گیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار لوٹا دیا گیا۔ البتہ آپ نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے یہ وعدہ لیا تھا کہ مکہ جاتے ہی وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ انھوں نے وعدہ کر لیا۔

(یہاں یہ بھی واضح رہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت ہوئی تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع نہیں کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع کی تو مشرکین نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر زور دیا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں، لیکن

انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ البتہ ابولہب کے دونوں بیٹوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ ابھی ان کا صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے کچھ عرصہ بعد مسلمان ہو گئے تھے۔)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لانے کے لیے مدینہ منورہ سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے وعدے کے مطابق انہیں ان کے ساتھ بھیج دیا (اس وقت تک حجاب کا حکم نازل نہ ہوا تھا) اس طرح وہ مدینہ آ گئیں۔ راستے میں کافروں نے رکاوٹ بننے کی کوشش کی تھی، لیکن ابوالعاص کے بھائی ان کے راستے میں آ گئے اور مشرک ناکام رہے۔

قیدیوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی ولید بن ولید (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ انہیں ان کے بھائی ہشام اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رہا کرایا۔ ان کا فدیہ ادا کیا گیا۔ جب وہ انہیں لے کر مکہ پہنچے تو وہاں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر ان کے بھائی بہت بگڑے۔ انھوں نے کہا:

"اگر تم نے مسلمان ہونے کا ارادہ کر لیا تھا تو وہیں، مدینہ میں کیوں مسلمان نہیں ہو گئے؟"



سازش ناکام ہوگئی

بھائیوں کی بات کے جواب میں حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ بولے:

''میں نے سوچا، اگر میں مدینہ منورہ میں مسلمان ہوگیا تو لوگ کہیں گے، میں قید سے گھبرا کر مسلمان ہوگیا ہوں۔''

اب انھوں نے مدینہ منورہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بھائیوں نے انہیں قید کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان کے لیے قنوتِ نازلہ میں رہائی کی دعا فرمانے لگے۔ آخر ایک دن ولید بن ولید رضی اللہ عنہ مکہ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ایسے ہی ایک قیدی حضرت وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ (جو بعد میں اسلام لائے) نے بھی غزوہ بدر میں مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور کافروں کی شکست کے بعد قیدی بنا لیے گئے تھے۔ وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عمیر (رضی اللہ عنہ) تھا... ان کے ایک دوست تھے، صفوان (رضی اللہ عنہ)۔ ان دونوں دوستوں کا تعلق مکہ کے قریش سے تھا۔ دونوں اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ ایک روز یہ دونوں حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے۔ دونوں بدر میں قریش کی شکست کے بارے میں باتیں کرنے لگے... قتل ہونے والے بڑے بڑے سرداروں کا ذکر کرنے لگے، صفوان

رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! ان سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی کا مزہ ہی ختم ہو گیا ہے۔"

یہ سن کر عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم سچ کہتے ہو، خدا کی قسم! اگر مجھ پر ایک شخص کا قرض نہ ہوتا اور مجھے اپنے پیچھے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچ کر انہیں قتل کر دیتا (معاذ اللہ)۔ میرے پاس وہاں پہنچنے کی وجہ بھی موجود ہے، میرا اپنا بیٹا وہب ان کی قید میں ہے، وہ بدر کی لڑائی میں شریک تھا..."

یہ سننا تھا کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے وعدہ کرتے ہوئے کہا:

"تمہارا قرض میرے ذمے ہے، وہ میں ادا کروں گا اور تمہارے بیوی بچوں کی دیکھ بھال بھی میرے ذمے ہے، جب تک وہ زندہ رہیں گے، میں ان کی کفالت کروں گا۔"

عمیر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پختہ عزم کر لیا اور کہا:

"بس تو پھر ٹھیک ہے، یہ معاملہ میرے اور تمہارے درمیان راز رہے گا... نہ تم کسی سے اس ساری بات چیت کا ذکر کرو گے، نہ میں۔"

صفوان رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے گھر جا کر اپنی تلوار نکالی، اس کی دھار کو تیز کیا اور پھر اس کو زہر میں بجھایا۔ پھر مکہ سے مدینہ کا رخ کیا۔

مسجد نبوی میں پہنچ کر عمیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے غزوہ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ انھوں نے عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ لی تھی، انھوں نے کہا:

"یہ خدا کا دشمن ضرور کسی بُرے ارادے سے آیا ہے۔"

پھر وہ فوراً وہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں گئے اور عرض کیا:

"اللہ کے رسول! خدا کا دشمن عمیر ننگی تلوار لیے آیا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عمر! اسے میرے پاس اندر لے آؤ۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً باہر نکلے، تلوار کا پٹکا پکڑ کر انہیں اندر کھینچ لائے۔ اس وقت وہاں کچھ انصاری بھی موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''تم لوگ بھی میرے ساتھ اندر آ جاؤ... کیونکہ مجھے اس کی نیت پر شک ہے۔''

چنانچہ وہ بھی اندر آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمیر رضی اللہ عنہ کو اس طرح پکڑ کر لا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عمر! اسے چھوڑ دو... عمیر! آگے آ جاؤ۔''

چنانچہ عمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گئے اور جاہلیت کے آداب کی طرح صبح بخیر کہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عمیر! ہمیں اسلام نے تمہارے اس سلام سے بہتر سلام عنایت فرمایا ہے، جو جنت والوں کا سلام ہے... اب تم بتاؤ، تم کس لیے آئے ہو؟''

عمیر رضی اللہ عنہ بولے:

''میں اپنے قیدی بیٹے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پھر اس تلوار کا کیا مطلب... سچ بتاؤ، کس لیے آئے ہو؟''

عمیر رضی اللہ عنہ بولے:

''میں واقعی اپنے بیٹے کی رہائی کے سلسلے میں آیا ہوں۔''

چونکہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے ارادے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی پہلے سے بتا دیا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں عمیر! یہ بات نہیں... بلکہ بات یہ ہے کہ کچھ دن پہلے تم اور صفوان حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے اور تم دونوں اپنے مقتولوں کی باتیں کر رہے تھے، ان مقتولوں کی جو بدر کی

لڑائی میں مارے گئے اور جنہیں ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا کہ اگر تمہیں کسی کا قرض نہ ادا کرنا ہوتا اور پیچھے تمہیں اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر ''محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم)'' کو قتل کر دیتا۔ اس پر صفوان نے کہا تھا، اگر تم یہ کام کر ڈالو تو قرض کی ادائیگی وہ کر دے گا اور تمہارے بیوی بچوں کا خیال بھی وہی رکھے گا، ان کی کفالت کرے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارا ارادہ پورا نہیں ہونے دیں گے۔''

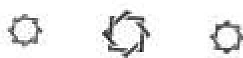
عمیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ اس گفتگو کے بارے میں صرف انہیں پتا تھا یا صفوان رضی اللہ عنہ کو، چنانچہ اب عمیر رضی اللہ عنہ فوراً بول اُٹھے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اے اللہ کے رسول! آپ پر جو آسمان سے خبریں آیا کرتی ہیں اور جو وحی نازل ہوتی ہے، ہم اس کو جھٹلایا کرتے تھے، جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے... تو اس وقت حجر اسود کے پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اور نہ ہی ہماری گفتگو کی کسی کو خبر ہے، کیونکہ ہم نے راز داری کا عہد کیا تھا۔ اس لیے اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس بات کی خبر نہیں دے سکتا، پس حمد و ثنا ہے اس ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے جس نے اسلام کی طرف میری رہنمائی کی اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راستے پر چلنے کی توفیق فرمائی۔''

اس کے بعد عمیر رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے، تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو اور انہیں قرآن پاک پڑھاؤ اور ان کے قیدی کو رہا کر دو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔



سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی

اب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اللہ کے اس نور کو بجھا دوں اور جو لوگ اللہ کے دین کو قبول کر چکے تھے، انہیں خوب تکالیف پہنچایا کرتا تھا۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیں، تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں۔ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ واپس مکہ گئے۔ ان کی تبلیغ سے ان کے بیٹے وہب رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔

جب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ عمیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ بھونچکا رہ گئے اور قسم کھائی کہ اب کبھی عمیر رضی اللہ عنہ سے نہیں بولیں گے۔ اپنے گھر والوں کو دین کی دعوت دینے کے بعد عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کے پاس آئے اور پکار کر کہا:

''اے صفوان! تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ہم پتھروں کو پوجتے رہے ہیں اور ان کے نام پر قربانیاں دیتے رہے ہیں، بھلا یہ بھی کوئی دین ہوا... میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

ان کی بات سن کر صفوان رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں فتح مکہ کے موقع پر عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے امان طلب کی تھی اور پھر یہ بھی ایمان لے آئے تھے۔ (ان کے اسلام لانے کا قصہ فتح مکہ کے موقع پر تفصیل سے آئے گا۔ ان شاء اللہ)۔

اسی طرح ان قیدیوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ صحابہ کرام نے انہیں بہت سختی سے باندھ رکھا تھا۔ رسّی کی سختی انہیں تکلیف دے رہی تھی اور وہ کراہ رہے تھے۔ ان کی اس تکلیف کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام رات بے چین رہے... جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے بے چین ہیں تو فوراً حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رسیاں ڈھیلی کر دیں... یہی نہیں! باقی تمام قیدیوں کی رسیاں بھی ڈھیلی کر دیں... پھر انھوں نے اپنا فدیہ ادا کیا اور رہا ہوئے، اسی موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے مگر انھوں نے مکہ والوں سے اپنا مسلمان ہونا پوشیدہ رکھا۔

قیدیوں میں ایک قیدی ابوعزہ جمحی بھی تھا۔ اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی:

"اے اللہ کے رسول! میں بال بچوں والا آدمی ہوں اور خود بہت ضرورت مند ہوں... میں فدیہ ادا نہیں کر سکتا... مجھ پر رحم فرمائیں۔"

یہ شاعر تھا، مسلمانوں کے خلاف شعر لکھ لکھ کر آپ کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست منظور فرمائی اور بغیر فدیے کے اسے رہا کر دیا... البتہ اس سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف اشعار نہیں لکھے گا... اس نے وعدہ کر لیا، لیکن رہا ہونے کے بعد جب یہ مکہ پہنچا تو اس نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے خلاف اشعار لکھنے لگا۔ یہ مکہ کے مشرکوں سے کہا کرتا تھا:

"میں نے محمد پر جادو کر دیا تھا، اس لیے انھوں نے مجھے بغیر فدیے کے رہا کر دیا۔"

اگلے سال یہ شخص غزوہ احد کے موقع پر کافروں کے لشکر میں شامل ہوا اور اپنے اشعار

سے کافروں کو جوش دلاتا رہا۔ اسی لڑائی میں یہ قتل ہوا۔

بدر کی فتح کی خبر شاہِ حبشہ تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے مسلمان اس وقت تک حبشہ ہی میں تھے۔ شاہِ حبشہ نے انہیں اپنے دربار میں بلا کر یہ خوش خبری سنائی۔

بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والے صحابہ بدری صحابہ کہلائے۔ انہیں بہت فضیلت حاصل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اصحابِ بدر پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ جو چاہو کرو، میں تمہارے گناہ معاف کر چکا...... یا یہ فرمایا کہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔''

مطلب یہ کہ ان کے سابقہ گناہ تو معاف ہو ہی چکے ہیں، آیندہ بھی اگر ان سے کوئی گناہ ہوئے تو وہ بھی معاف ہیں۔

غزوہ بدر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ شادی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے پوچھا:

''بیٹی تمہارے چچا زاد بھائی علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تمہارا رشتہ آیا ہے، تم اس بارے میں کیا کہتی ہو؟''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ گویا انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ تب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے پوچھا:

''تمہارے پاس کیا کچھ ہے؟'' (یعنی شادی کے لیے کیا انتظام ہے؟)

انھوں نے جواب دیا:

''میرے پاس صرف ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے، البتہ تم زرہ کو فروخت کردو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ چار سو اسّی درہم میں فروخت کردی اور رقم لاکر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کردی۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ شادی کے سلسلے میں حضرت علی اپنی زرہ بیچ رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

''یہ زرہ اسلام کے شہسوار علی کی ہے، یہ ہرگز فروخت نہیں ہونی چاہیے۔''

پھر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام کو بلایا اور انہیں چار سو درہم دیتے ہوئے کہا:

''یہ درہم اس زرہ کے بدلے میں علی کو دے دیں۔''

ساتھ ہی انھوں نے زرہ بھی واپس کردی... بہر حال اس طرح شادی کا خرچ پورا ہوا۔

حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لیے دعا فرمائی۔

غزوہ بدر کے بعد غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ قینقاع یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا۔ یہودیوں میں یہ لوگ سب سے زیادہ جنگجو شمار ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ میں آمد کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے صلح کا معاہدہ فرمایا تھا۔ معاہدے میں طے ہوا تھا کہ یہ لوگ کبھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقابلے پر نہیں آئیں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو کوئی مدد دیں گے۔ جن لوگوں سے معاہدہ ہوا۔ ان میں یہ تین قبیلے شامل تھے۔

بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نضیر۔

معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے گا تو یہ تینوں قبیلے مسلمانوں کی پوری پوری مدد کریں گے۔ ان کا ہر طرح ساتھ دیں گے، لیکن ان لوگوں نے

معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ انھوں نے ایک مسلمان عورت سے بدتمیزی کی۔ ان کی بدتمیزی کو پاس سے گزرتے ہوئے ایک صحابی نے دیکھ لیا، انھوں نے اس یہودی کو قتل کر دیا، یہ دیکھ کر محلے کے یہودیوں نے مل کر ان صحابی کو شہید کر دیا۔ اس خبر کے پھیلنے پر وہاں اور مسلمان جمع ہو گئے۔



یہودیوں کے خلاف پہلا جہاد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا:

''اے یہودیو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تباہی سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقع پر قریش پر نازل ہوئی ہے، اس لیے تم مسلمان ہو جاؤ، تم جانتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو۔''

اس پر یہودیوں نے کہا:

''اے محمد! آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم کی طرح ہیں، اس دھوکے میں نہ رہیے گا، کیونکہ اب تک آپ کو ایسی قوموں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریقے نہیں جانتے، لہٰذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا، لیکن اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو خدا کی قسم آپ کو پتا چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے۔''

ان کے یہ الفاظ کہنے کی وجہ دراصل یہ تھی کہ یہ لوگ جنگجو اور عسکری فنون کے بہت ماہر تھے، پھر یہودیوں میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، ہر قسم کا بہترین اسلحہ ان کے پاس تھا، ان کے قلعہ بھی بہت مضبوط تھے۔ ان کے الفاظ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ آل عمران کی آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ بہت جلد تم (مسلمانوں کے ہاتھوں) شکست کھاؤ گے اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔"

اس دھمکی کے بعد بنی قینقاع قلعہ بند ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم اس غزوہ میں سفید رنگ کا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے قلعوں کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی بستیوں کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ بہت سخت تھا، پندرہ دن تک جاری رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا۔ وہ اس محاصرے سے تنگ آ گئے، حالانکہ ان یہودیوں میں اس وقت تقریباً 700 جنگجو تھے۔ اب انھوں نے درخواست کی کہ ہم یہاں سے نکل کر جانے کے لیے تیار ہیں، شرط یہ ہے کہ انہیں نکل جانے کا راستہ دے دیا جائے، اس صورت میں وہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے۔ ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ ہماری عورتیں اور بچوں کو بھی جانے دیا جائے۔ مال، دولت اور ہتھیار وغیرہ وہ یہیں چھوڑ جائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمالی۔ انہیں نکل جانے کا راستہ دے دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ بے تحاشا مالِ غنیمت آیا۔ یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکل جانے کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی۔ یہ لوگ وہاں سے نکل کر ملک شام کی ایک بستی میں جا بسے۔ ایک روایت کے مطابق ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے... یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا اثر تھا۔

غزوہ بنو قینقاع کے بعد چند چھوٹے چھوٹے غزوات اور ہوئے۔ کچھ دنوں بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے اور پھر حضرت زینب

بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ ان دونوں میں نبھ نہ سکی، لہٰذا طلاق ہوگئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر فرمایا تھا اور اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تھی۔ جب وحی نازل ہوئی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''زینب کو جا کر خوش خبری سنا دو، اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ان سے میرا نکاح کر دیا ہے۔''

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں آیت بھی نازل فرمائی... تاکہ لوگ شک وشبہ نہ کریں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے نکاح کیا ہے۔ دراصل عرب کے جہالت زدہ معاشرے میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح محرم سمجھا جاتا تھا اور اس کی طلاق شدہ بیوی سے شادی ناجائز سمجھی جاتی تھی، ساتھ ساتھ اسے وراثت میں بھی حصہ ملتا تھا۔ اسلام نے اس فرسودہ رسم کو بالکل ختم کر دیا اس کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دعوتِ ولیمہ بھی کھلائی۔ اسی روز پردے کی آیت نازل ہوئی۔

3ھ میں غزوہ احد پیش آیا۔ احد پہاڑ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس پہاڑ کے بارے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد مبارک ہے:

''یہ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب تم اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا پھل تبرک کے طور پر کھا لیا کرو، چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو۔''

غزوہ احد کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غزوہ بدر میں کافروں کو بدترین شکست ہوئی تھی۔ کافر جمع ہو کر اپنے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُن سے کہا:

''بدر کی لڑائی میں ہمارے بے شمار آدمی قتل ہوئے ہیں۔ ہم ان کے خون کا بدلہ لیں

گے... آپ تجارت سے جو مال کما کر لاتے ہیں، اس مال کے نفع سے جنگ کی تیاری کی جائے۔"

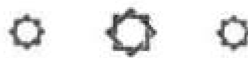
حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات منظور کر لی اور جنگ کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ سامانِ تجارت سے جو نفع ہوا تھا، وہ پچاس ہزار دینار تھا۔ غزوہ بدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحمزہ شاعر کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا تھا، اور اس سے اقرار لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف شعر نہیں کہے گا... اب جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو لوگوں نے اس سے کہا:

"تم اپنے اشعار سے جوش پیدا کرو۔"

پہلے تو ابوحمزہ نے انکار کیا، کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وعدہ کر آیا تھا، لیکن پھر وعدہ خلافی پر اتر آیا اور اشعار پڑھنے لگا۔

آخر قریشی لشکر مکہ معظمہ سے نکلا اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ قریش کے لشکر میں عورتیں بھی تھیں۔ یہ عورتیں بدر میں مارے جانے والوں کا نوحہ کرتی جاتی تھیں۔ اس طرح یہ اپنے مردوں میں جوش پیدا کر رہی تھیں، انہیں شکست کھانے یا میدانِ جنگ سے بھاگ جانے پر شرم دلا رہی تھیں۔

قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھیجی۔ انھوں نے یہ اطلاع ایک خط کے ذریعے دی۔ خط لے جانے والے نے تین دن رات مسلسل سفر کیا اور یہ خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تھے۔



غزوہ احد کی تیاری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ منورہ پہنچے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قریشی لشکر سے مقابلے کے سلسلے میں مشورہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ قریش پر شہر سے باہر حملہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر اپنا دفاع کیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تمہاری رائے ہو تو تم مدینہ منورہ میں رہ کر ہی مقابلہ کرو، ان لوگوں کو وہیں رہنے دو، جہاں وہ ہیں۔ اگر وہ وہاں پڑے رہتے ہیں تو وہ جگہ ان کے لیے بدترین ثابت ہوگی اور اگر ان لوگوں نے شہر میں آ کر ہم پر حملہ کیا تو ہم شہر میں ان سے جنگ کریں گے اور شہر کے پیچ وخم کو ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رائے دی تھی، تمام بڑے صحابہ کرام کی بھی وہی رائے تھی۔ منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے بھی یہی مشورہ دیا۔ یہ شخص ظاہر میں مسلمان تھا اور اپنے لوگوں کا سردار تھا۔

دوسری طرف کچھ پر جوش نوجوان صحابہ اور کچھ پختہ عمر کے صحابہ یہ چاہتے تھے کہ شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ مشورہ دینے والوں میں زیادہ وہ لوگ تھے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور انہیں اس کا بہت افسوس تھا۔ وہ اپنے دلوں کے ارمان نکالنا

چاہتے تھے، چنانچہ ان لوگوں نے کہا:

''ہمیں ساتھ لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے باہر چلیں تاکہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل نہ سمجھیں، ورنہ ان کے حوصلے بہت بڑھ جائیں گے اور ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ ہمیں دھکیلتے ہوئے ہمارے گھروں میں گھس آئیں اور اے اللہ کے رسول! جو شخص بھی ہمارے علاقے میں آیا، ہم سے شکست کھا کر گیا ہے، اب تو آپ ہمارے درمیان موجود ہیں، اب دشمن کیسے ہم پر غالب آسکتا ہے؟''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی تائید کی۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا۔ انہیں حکم دیا:

''مسلمانو! پوری تن دہی اور ہمت کے ساتھ جنگ کرنا، اگر تم لوگوں نے صبر سے کام لیا تو حق تعالیٰ تمہیں فتح اور کامرانی عطا فرمائیں گے، اب دشمن کے سامنے جا کر لڑنے کی تیاری کرو۔''

لوگ یہ حکم سن کر خوش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ اس وقت تک اردگرد سے بھی لوگ آ گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گھر میں تشریف لے گئے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر عمامہ باندھا اور جنگی لباس پہنایا۔ باہر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے اور صفیں باندھے کھڑے تھے۔

اس وقت حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں سے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی شہر میں رہ کر لڑنے کی تھی، تم لوگوں نے انہیں باہر نکل کر لڑنے پر مجبور کیا... بہتر ہوگا، تم اب بھی اس معاملے کو ان پر چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حکم دیں گے، ان کی جو بھی رائے ہوگی، بھلائی اسی میں ہوگی، اس لیے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو۔"

باہر یہ باتیں ہورہی تھیں، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی لباس پہن رکھا تھا، دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ ان زرہوں کا نام ذات الفضول اور فضہ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی قینقاع کے مالِ غنیمت سے ملی تھیں۔

ان میں سے ذات الفضول وہ زرہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہودی کی رقم ادا کر کے اسے واپس لیا تھا۔ زرہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کے اوپر پہن رکھی تھیں۔ اس وقت ان نوجوانوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کی رائے کی مخالفت کریں یا آپ کو مجبور کریں، لہٰذا آپ جو مناسب سمجھیں، وہ کریں۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اب میں ہتھیار لگا چکا ہوں اور کسی نبی کے لیے ہتھیار لگانے کے بعد ان کا اتار دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تین پرچم بنوائے۔ ایک پرچم قبیلہ اوس کا تھا۔ یہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا پرچم مہاجرین کا تھا، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ تیسرا پرچم قبیلہ خزرج کا تھا، یہ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ یا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ لشکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما چل رہے تھے۔ یہ دونوں قبیلہ اوس اور خزرج کے سردار تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا، مدینہ منورہ سے کوچ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیہ کے مقام پر پہنچے۔ پھر یہاں سے روانہ ہوکر شیخین کے مقام پر پہنچے، شیخین دو پہاڑوں کا نام تھا۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرمایا اور کم عمر نوجوانوں کو واپس بھیج دیا۔ یہ ایسے نوجوان تھے جو ابھی پندرہ سال کے نہیں ہوئے تھے۔ ان کم سن مجاہدوں میں رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما بھی تھے، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ یہ دیکھ کر حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نے رافع کو اجازت دے دی جب کہ مجھے واپس جانے کا حکم فرمایا، حالانکہ میں رافع سے زیادہ طاقت ور ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا تو پھر تم دونوں میں کشتی ہو جائے۔''

دونوں میں کشتی کا مقابلہ ہوا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح انہیں بھی جنگ میں حصہ لینے کی اجازت ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوج کے معائنے سے فارغ ہوئے تو سورج غروب ہوگیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر عشاء کی نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ رات کے وقت پہرہ دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس مجاہدوں کو مقرر کیا۔ ان کا سالار حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ تمام رات اسلامی لشکر کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ رات کے آخری حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین سے کوچ فرمایا اور صبح کی نماز کے وقت احد پہاڑ کے قریب پہنچ گئے۔

معرکہ احد کا آغاز

اسلامی لشکر نے جہاں پڑاؤ ڈالا اس مقام کا نام شوط تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس وقت لشکر میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا، یہ منافق تھا۔ اس کے ساتھ تین سو جوان تھے، یہ سب کے سب منافق تھے۔ اس مقام پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی نے کہا:

''آپ نے میری بات نہیں مانی، ان نوعمر لڑکوں کا مشورہ مانا، حالانکہ ان کا مشورہ کوئی مشورہ ہی نہیں ہے۔ اب خود ہی ہماری رائے کے بارے میں اندازہ ہو جائے گا، ہم بلاوجہ کیوں جانیں دیں... اس لیے ساتھیو! واپس چلو۔''

اس طرح یہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے۔ اس روز مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ان میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور دوسرا ابو بردہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ شوط کے مقام سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ پہاڑ آپؐ کی پشت کی طرف رہے۔

اس جگہ رات بسر کی گئی۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان دی... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں قائم کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی۔ نماز

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطبہ دیا۔ اس میں جہاد کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ جہاد کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال روزی کمانے کے بارے میں بھی نصیحت فرمائی اور فرمایا:

''جبرئیل (علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ وحی ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے حصے کے رزق کا ایک ایک دانہ حاصل نہیں کر لیتا (چاہے وہ کچھ دیر میں حاصل ہو مگر اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی)۔ اس لیے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں نیک راستے اختیار کرو (ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ رزق میں دیر لگنے کی وجہ سے تم اللہ کی نافرمانی حاصل کرنے لگو)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''ایک مومن کا دوسرے مومن سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسے سر اور بدن کا رشتہ ہوتا ہے۔ اگر سر میں تکلیف ہو تو سارا بدن درد سے کانپ اٹھتا ہے......''

اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ مشرکوں کے لشکر کے دائیں بائیں خالد بن ولید اور عکرمہ تھے۔ یہ دونوں حضرات اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر فرمایا:

''تم خالد بن ولید کے مقابلے پر رہنا اور اس وقت تک حرکت نہ کرنا جب تک کہ میں اجازت نہ دوں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کے ایک دستے پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں اس درے پر متعین فرمایا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا۔ اس درے پر پچاس تیر انداز مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ پشت کی طرف سے دشمن حملہ نہ کر سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پچاس تیر اندازوں سے فرمایا:

''تم مشرکوں کے گھڑ سوار دستوں کو تیر اندازی کر کے ہم سے دور ہی رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پشت کی طرف سے آ کر حملہ کر دیں، ہمیں چاہے فتح ہو یا شکست... تم اپنی جگہ سے

نہ ہلنا۔''

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار نکالی اور فرمایا:

''کون مجھ سے یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کر سکتا ہے؟...''

اس پر کئی صحابہ کرام اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار انہیں نہیں دی۔ ان حضرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے فرمایا:

''بیٹھ جاؤ۔''

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھی وہ تلوار لینے کی تین بار کوشش کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ انکار کر دیا۔ آخر صحابہ کے مجمع میں سے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

''میں اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار انہیں عطا فرما دی۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ بے حد بہادر تھے، جنگ کے دوران غرور کے انداز میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دونوں لشکروں کے درمیان اکڑ کر چلتے دیکھا تو فرمایا:

''یہ چال ایسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت فرماتا ہے، سوائے اس قسم کے موقعوں کے۔'' (یعنی دشمنوں کا سامنا کرتے وقت یہ چال جائز ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ ایسا شخص دشمن سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہے اور نہ اسے دشمن کے جنگی ساز و سامان کی پروا ہے۔)

پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالکل نزدیک آگئے۔ اس وقت مشرکوں کے لشکر سے ایک اونٹ سوار آگے نکلا اور مبارزت طلب کی یعنی مقابلے کے لیے للکارا۔ اس نے تین مرتبہ پکارا۔ تب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اسلامی صفوں سے نکل کر اس کی طرف بڑھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت پیدل تھے... جب کہ دشمن اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے نزدیک پہنچتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دم زور سے اچھلے اور اس کی اونچائی کے

برابر پہنچ گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے اس کی گردن پکڑ لی...

دونوں میں اونٹ پر ہی زور آزمائی ہونے لگی۔ ان کی زور آزمائی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

''ان میں سے جو پہلے نیچے گرے گا، وہی مارا جائے گا۔''

اچانک وہ مشرک نیچے گرا پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس پر گرے، گرتے ہی انھوں نے فوراً ہی اس پر تلوار کا وار کیا اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی:

''ہر نبی کا ایک حواری (یعنی خاص ساتھی) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اگر اس مشرک کے مقابلے کے لیے زبیر نہ نکلتے تو میں خود نکلتا۔''

اس کے بعد مشرکوں کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکلا۔ اس کا نام طلحہ بن ابوطلحہ تھا۔ یہ قبیلہ عبدالدار سے تھا۔ اس کے ہاتھ میں پرچم تھا۔ اب اس نے مبارزت طلب کی۔ اس نے بھی کئی بار مسلمانوں کو للکارا، تب حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی صفوں میں سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گئے، اب ان دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک وار اس کی ٹانگ پر لگا۔ ٹانگ کٹ گئی۔ وہ بری طرح گرا اور اس کے کپڑے الٹ گئے۔ اس طرح وہ برہنہ ہو گیا۔ وہ پکار اٹھا:

''میرے بھائی! میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔''



حق ادا کر دیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ طلحہ بن ابو طلحہ کو چھوڑ کر لوٹ آئے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''اے علی! تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اس نے مجھے خدا کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کی تھی۔''

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

''اسے قتل کر آؤ۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے قتل کے بعد مشرکوں کا پرچم اس کے بھائی عثمان بن ابو طلحہ نے لے لیا۔ اس کے مقابلے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے اس کے نزدیک پہنچتے ہی تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے اس کا کندھا کٹ گیا۔ وہ گر پڑا، دوسرے وار سے انھوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

اب طلحہ کا بیٹا مسافع آگے بڑھا۔ حضرت عاصم بن ثابت بن ابوالافلح رضی اللہ عنہ نے اس پر تیر چلایا، وہ بھی ہلاک ہو گیا، اس کے بعد اس کا بھائی حارث میدان میں نکلا، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اسے بھی تاک کر تیر مارا، وہ بھی مارا گیا۔

ان دونوں کی ماں بھی لشکر میں موجود تھی۔اس کا نام سلافہ تھا۔اس کے دونوں بیٹوں نے ماں کی گود میں دم توڑا۔مرنے سے پہلے سلافہ نے پوچھا:

''بیٹے!تمہیں کس نے زخمی کیا ہے؟''

ایک بیٹے نے جواب دیا:

''میں نے اس کی آواز سنی ہے، تیر چلانے سے پہلے اس نے کہا تھا، لے اس کو سنبھال، میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں۔''

اس جملے سے سلافہ جان گئی کہ وہ تیر انداز حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ اس نے قسم کھائی۔

''اگر عاصم کا سر میرے ہاتھ لگا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔''

ساتھ ہی اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی عاصم بن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا، میں اسے سو اونٹ انعام میں دوں گی۔''

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید نہیں ہوئے، یہ واقعہ رجیع میں شہید ہوئے جس کا ذکر اپنے وقت پر آئے گا، ان شاءاللہ!

ان دونوں کے قتل کے بعد ان کے بھائی کلاب بن طلحہ نے پرچم اٹھالیا، اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔کلاب کے بعد اس کے بھائی جلاس ابن طلحہ نے پرچم اٹھایا۔ اسے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔اس طرح یہ چاروں اپنے باپ کی طرح وہیں قتل ہو گئے۔ان کے چچا عثمان بن ابوطلحہ اور ابوسعید بن ابوطلحہ بھی اسی غزوہ احد میں مارے گئے تھے۔

اس کے بعد قریشی پرچم ارطاۃ بن شرحبیل نے اٹھایا، اس کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، وہ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بعد شریح ابن قارظ نے پرچم اٹھایا، وہ بھی مارا گیا، روایت میں یہ نہیں آیا کہ یہ کس کے ہاتھوں مارا گیا۔اس کے بعد پرچم ابوزید بن عمرو نے اٹھایا، اسے حضرت قزمان

رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، اس کے بعد ان لوگوں کے ایک غلام صواب نے پرچم اٹھایا۔ یہ ایک حبشی تھا۔ اس نے لڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کا ایک ہاتھ کٹ گیا، یہ جلدی سے بیٹھ گیا، پرچم کو اپنی گردن اور سینے کے سہارے سے اٹھائے رہا یہاں تک کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر پوری قوت سے حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ کے شروع ہی میں مشرکوں کے گھڑسوار دستے نے تین مرتبہ اسلامی لشکر پر حملہ کیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی کے اوپر تیراندازوں کا جو دستہ مقرر فرمایا تھا، وہ ہر مرتبہ تیروں کی باڑھ مار کر اس دستے کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ مشرکین تینوں مرتبہ بدحواسی کے عالم میں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر بھرپور حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ مشرکوں کی طاقت کو زبردست نقصان پہنچا۔ اس وقت لڑائی پورے زوروں پر تھی۔

مشرکوں کی عورتوں میں ہندہ بھی تھیں۔ یہ ابوسفیان کی بیوی تھیں، اس وقت تک یہ اسلام نہ لائی تھیں اور مسلمانوں کی سخت ترین دشمن اور بہت تندمزاج تھیں، انھوں نے اپنے ہاتھوں میں دف لے لیا، ان کے ساتھ دوسری عورتیں بھی اٹھیں... انھوں نے بھی دف لے لیے۔ اب سب مل کر دف بجانے لگیں اور گیت گانے لگیں۔ یہ قدم انھوں نے اپنے مردوں کو جوش دلانے کے لیے اٹھایا۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو جو تلوار عطا فرمائی تھی، انھوں نے اس کا حق ادا کر دیا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا تو میرے تین مرتبہ تلوار مانگنے کے باوجود آپ نے وہ تلوار مجھے مرحمت نہ فرمائی حالانکہ میں آپ کا پھوپھی زاد تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ابودجانہ کو دے دی تو میں نے دل میں کہا، دیکھتا ہوں کہ یہ اس تلوار کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں؟ اس کے بعد میں نے ان کا پیچھا کیا اور

سائے کی طرح ان کے ساتھ لگا رہا۔ میں نے دیکھا، انھوں نے اپنے موزے میں سے ایک سرخ رنگ کی پٹی نکالی، اس پٹی پر ایک طرف لکھا تھا، اللہ کی مدد اور فتح قریب ہے۔ دوسری طرف لکھا تھا، جنگ میں بزدلی شرم کی بات ہے، جو میدان سے بھاگا، وہ جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتا۔ یہ پٹی نکال کر انھوں نے اپنے سر پر باندھ لی۔ انصاری مسلمانوں نے جب یہ دیکھا تو وہ بول اٹھے:

''ابو دجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے۔''

انصاریوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جب یہ پٹی سر پر باندھ لیتے ہیں تو پھر دشمنوں پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ کوئی ان کے مقابلے پر ٹک نہیں سکتا۔

چنانچہ اس پٹی کے باندھنے کے بعد انھوں نے انتہائی خوفناک انداز میں جنگ شروع کر دی۔ وہ دشمن پر موت بن کر گرے۔ انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ دشمنوں کو اس حد تک قتل کیا کہ آخر یہ تلوار مڑ گئی اور مڑ کر درانتی جیسی ہو گئی۔

اس وقت مسلمان پکار اٹھے:

''ابو دجانہ نے واقعی تلوار کا حق ادا کر دیا۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکوں میں سے ایک شخص میدان جنگ میں زخمی مسلمانوں کو تلاش کر کر کے شہید کر رہا تھا۔ میری نظر اس پر پڑی تو میں نے دعا مانگی:

''یا اللہ! اس کا سامنا ابو دجانہ سے ہو جائے۔''

اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور اس کا آمنا سامنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ اب دونوں میں تلوار کے وار ہونے لگے۔ اچانک اس مشرک نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ پر تلوار بلند کی۔



پانسہ پلٹ گیا

مشرک کے اس وار کو ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی چمڑے کی ڈھال پر روکا۔ مشرک کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی۔ بس اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ایک موقع پر میں نے ابو دجانہ کو وہی تلوار ہند بنت عتبہ کو قتل کرنے کے لیے بلند کرتے دیکھا، لیکن پھر انھوں نے اس عورت کو قتل نہ کیا۔ اس بارے میں جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

''میں نے مناسب نہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں، اس لیے اسے چھوڑ کر ہٹ آیا۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان کی طرح انتہائی سرفروشی سے جنگ کر رہے تھے۔ اس روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بیک وقت دو تلواروں سے لڑ رہے تھے، یعنی ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں... اور لڑتے ہوئے وہ کہتے جا رہے تھے:

''میں اللہ کا شیر ہوں۔'' ایسے میں سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آ گیا۔ انھوں نے اسے للکارا۔ پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر پہنچ کر تلوار کا وار کیا، سباع فوراً ہی ڈھیر ہو گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس روز اس قدر دلیری سے لڑے کہ ان کے ہاتھ سے 31 مشرک مارے گئے۔ سباع کو قتل کرنے کے بعد وہ اس کی زرہ اتارنے کے لیے جھکے۔ اس وقت حضرت وحشی کی نظر ان پر پڑی جو اس وقت مشرکین کے لشکر میں شامل تھے۔ جھکنے کی وجہ سے حمزہ رضی اللہ عنہ کی زرہ پیٹ پر سے سرک گئی تھی۔ حضرت وحشی یہ واقعہ سناتے ہوئے فرماتے تھے: ''میں نے فوراً نیزہ تاک کر مارا، وہ ان کے پیٹ میں لگا، میں ان کی طرف بڑھا۔ انھوں نے مجھے دیکھا اور شدید زخمی حالت کے باوجود انھوں نے اٹھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن پھر کمزوری کی وجہ سے گر گئے۔ کچھ دیر تک میں ایک طرف دبکا رہا جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ ان کی روح نکل چکی ہے، تب ان کے قریب گیا۔ وہ واقعی شہید ہو چکے تھے۔ میں وہاں سے ہٹ آیا اور اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا، کیونکہ مجھے صرف ان کے قتل سے دلچسپی تھی اور اس جنگ میں کسی کو قتل کرنے کی خواہش نہیں تھی... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر میں نے حضرت حمزہ کو قتل کر دیا تو مجھے آزاد کر دیا جائے گا''۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

ادھر مشرکوں کے پرچم بردار جب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے اور کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو ان میں بددلی پھیل گئی... وہ پسپا ہونے لگے۔ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ ایسے میں وہ چیخ اور چلا رہے تھے۔ ان کی عورتیں جو کچھ دیر پہلے جوش دلانے کے لیے اشعار پڑھ رہی تھیں، اپنے دف پھینک کر پہاڑ کی طرف بھاگیں۔ ان پر بدحواسی اس قدر سوار ہوئی کہ اپنے کپڑے نوچنے لگیں۔

مسلمانوں نے جب دشمن کو بھاگتے دیکھا تو ان کا پیچھا کرنے لگے، انہیں قتل کرنے لگے، ان کے ہتھیاروں اور مالِ غنیمت پر قبضہ کرنے لگے۔

اب یہاں... اس موقع پر ایک عجیب واقعہ رونما ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کے درّے پر پچاس تیر انداز مقرر فرمائے تھے اور انہیں واضح طور پر ہدایت فرمائی تھی

کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں... ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے... اس دستے نے جب کافروں کو بھاگتے دیکھا اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت جمع کرتے دیکھا تو یہ بھی اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ بولے:

''کہاں جا رہے ہو؟ ہمیں یہاں سے ہٹنا نہیں چاہیے، اللہ کے رسول نے ہمیں ہدایت فرمائی تھی کہ اپنی جگہ پر جمے رہیں... اور یہاں سے نہ ہٹیں۔''

اس پر ان کے ساتھی بولے:

''اب مشرکوں کو شکست ہوگئی ہے... اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔''

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ انہیں روکتے رہ گئے، لیکن وہ نہ مانے اور میدان میں چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور چند ساتھی البتہ وہیں رکے رہے، ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ انھوں نے نیچے کا رخ کرنے والوں سے کہا:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کریں گے۔''

اس طرح وہاں دس سے بھی کم مجاہد رہ گئے... اس وقت حضرت خالد بن ولید کی نظر درّے پر پڑی۔ یہ کافروں کے ایک دستے کے سالار تھے اور لشکر کے دائیں بازو پر مقرر تھے... شکست کے بعد یہ اس طرف سے پسپا ہو رہے تھے کہ درّے پر نظر پڑی... جنگ کے دوران بھی یہ اس طرف سے بار بار حملہ کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے، لیکن پچاس تیر اندازوں کے تیروں کی بوچھاڑ نے ان کی پیش قدمی روک دی تھی... اب انھوں نے دیکھا کہ وہاں پچاس کے بجائے چند مسلمان رہ گئے ہیں، تو یہ اپنے دستے کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے دستے کے ساتھ ہی عکرمہ بن ابوجہل بھی اپنے دستے کے ساتھ اس طرف پلٹ پڑے۔

اس طرح پورے دو دستوں نے ان چند مسلمانوں پر حملہ کر دیا، ان کا یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ پہلے ہی حملے میں حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہوگئے۔

مشرکوں نے حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کیا۔ یعنی ان کے ناک کان، ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالے۔ ان کے جسم پر اتنے نیزے لگے تھے کہ پورا جسم چھلنی ہو کر رہ گیا تھا، لیکن آفرین ہے اس مردِ مجاہد پر کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم پر وہاں سے نہ ہٹے۔

اب ان دونوں دستوں نے اس درّے کی طرف سے مسلمانوں کی پشت پر اچانک بہت زور کا حملہ کیا۔ مسلمان اس وقت مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے، ان میں سے اکثر نے اپنی تلواریں نیام میں ڈال لی تھیں۔ اس تابڑتوڑ حملے نے انہیں بدحواس کر دیا۔

کافر اس وقت پورے جوش کی حالت میں ''یا ھبل یا عزّیٰ'' کے نعرے لگا رہے تھے، یعنی اپنے بتوں کے نام پکار رہے تھے۔

مسلمان اس حملے سے اس قدر بدحواس ہوئے کہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، اس وقت تک انھوں نے جتنے کافروں کو قیدی بنا لیا تھا یا جتنا مالِ غنیمت لوٹ چکے تھے، وہ سب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

مشرکوں کا پرچم اس وقت زمین پر پڑا تھا... ایک مشرک عورت بنتِ علقمہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے لپک کر اس کو اٹھا لیا اور بلند کر دیا۔ اب تک جو مشرک بھاگ رہے تھے، وہ بھی اپنے پرچم کو بلند ہوتے دیکھ کر پلٹ پڑے، وہ جان گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے۔ اب سب دوڑ دوڑ کر اپنے پرچم کے گرد جمع ہونے لگے اور بدحواس مسلمانوں پر حملہ آور ہونے لگے۔

ایسے میں ایک مشرک ابن قمئہ نے پکار کر کہا:

''محمد قتل کر دیے گئے۔'' (معاذ اللہ)

اس خبر نے مسلمانوں کو اور زیادہ بدحواس کر دیا۔



جب پروانے شمعِ رسالت پر نثار ہوئے......

ایسے میں کسی صحابی نے کہا:

"اب جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے ہیں تو ہم لڑ کر کیا کریں گے؟"

اس پر کچھ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

"اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے نبی کے دین کے لیے نہیں لڑو گے، تاکہ تم شہید کی حیثیت سے اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو۔"

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

"اے گروہ انصار! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے، اسے تو موت نہیں آسکتی۔ اپنے دین کے لیے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہیں فتح اور کامرانی عطا فرمائیں گے۔"

یہ سنتے ہی انصار کے ایک گروہ نے مشرکوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل، عمرو بن عاص اور ضرار بن خطاب موجود تھے اور یہ چاروں زبردست جنگ جو تھے، انصار کے حملے کے جواب میں خالد بن ولید نے ان پر جوابی حملہ کیا۔ اس جوابی حملے میں ابن دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔

بدحواسی کے عالم میں کچھ لوگ مدینے کی طرف پلٹ پڑے تھے، ان کے راستے میں اُمّ

ایمن رضی اللہ عنہا آ گئیں ۔ وہ بولیں:

''مسلمانو!! یہ کیا! تم پیٹھ پھیر کر جا رہے ہو؟''

اس پر وہ پلٹ پڑے اور مشرکوں پر حملہ آور ہوئے ۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تتر بتر ہو جانے کی وجہ سے مشرکوں کے ایک گروہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سخت وقت میں بھی ثابت قدم رہے اور اپنی جگہ پر جمے رہے، اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرما رہے تھے:

''اے فلاں! میری طرف آؤ، اے فلاں میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔''

ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی... اس حالت میں ان تیروں سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی ۔ اس نازک وقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع رہی... یہ جماعت مشرکوں کے مسلسل حملوں کو روک رہی تھی ۔ خود کو پروانوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر رہی تھی ۔ ان میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔ وہ دشمن کے وار اپنی ڈھال پر روک رہے تھے ۔ وہ بہت اچھے تیر انداز تھے، نشانہ بہت پختہ تھا۔ چنانچہ دشمنوں پر مسلسل تیر بھی چلا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''میری جان آپ پر فدا ہو جائے، میرا چہرہ آپ کے لیے ڈھال بن جائے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مسلمان کے ترکش میں تیر نظر آتے تو اس سے فرماتے:

''اپنا ترکش ابوطلحہ کے سامنے الٹ دو۔''

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس روز اس قدر تیر اندازی کی کہ ان کے ہاتھ سے تین کمانیں ٹوٹ گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو دیکھنے کے لیے سر اوپر کو کرتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پکار اٹھتے:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنا سر اوپر نہ کریں... کہیں کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے۔''

پھر خود پنجوں کے بل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے آ جاتے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہیں... کوئی تیر لگے تو مجھے لگے۔

اس دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کمان تھی، اس کا نام کتوم تھا۔ کمان کا ایک سرا ٹوٹ گیا تھا اور دستِ مبارک میں کمان کی بالشت بھر ڈوری رہ گئی تھی۔ حضرت عکاشہ ابن محصن رضی اللہ عنہ نے کمان کی ڈوری باندھنے کے لیے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے لی مگر ڈوری تو چھوٹی ہو چکی تھی۔ اس پر انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! ڈوری چھوٹی ہو گئی ہے، اس لیے بندھ نہیں سکتی۔''

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس کو کھینچو! پوری ہو جائے گی۔''

عکاشہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''اللہ کی قسم! میں نے اس ڈوری کو کھینچا تو وہ کھنچ کر اتنی لمبی ہو گئی کہ وہ کمان کے دونوں سروں پر پوری آ گئی، میں نے ایک سرے پر دو تین بل بھی دے دیے اور پھر اس پر گرہ لگا دی۔''

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، انھوں نے دشمنوں سے زبردست جنگ کی، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بھی زبردست تیر انداز تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر مجھے دے رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

''اے سعد! تیر اندازی کرتے جاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔''

وہ فرماتے ہیں: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مجھے ایک تیر ایسا بھی ملا جس کے سرے پر پھل (تیز دھار نوک والا حصہ) نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیکھ لیا کہ تیر کا پھل نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہی تیر چلاؤ۔''

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے کہا:

''اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے، تو اس کو دشمن کے سینے میں پیوست کر دے۔''

ساتھ ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرما رہے تھے:

''اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! اس کی تیر اندازی کو درست فرما۔''

پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ترکش خالی ہو گیا، تیر ختم ہو گئے، تب نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا ترکش ان کے سامنے الٹ دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ پھر تیر چلانے لگے... کہا جاتا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے یعنی ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا:

''آپ کی دعائیں کیوں فوراً قبول ہوتی ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا:

''میں زندگی بھر کوئی لقمہ یہ جانے بغیر منہ تک نہیں لے گیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟''
(مطلب یہ کہ ہمیشہ حلال کھایا ہے۔)

اس بارے میں حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے:

''قسم اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب بھی کوئی بندہ حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔''

اسی سلسلے میں ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''جس کا کمانا حرام ہو، جس کا پینا حرام ہو اور جس کا لباس حرام ہو، اس کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟''

اس روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار تیر چلائے۔ ہر تیر پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے یہ فرمایا:

''تیر اندازی کرو، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جملہ حضرت سعد کے سوا کسی اور کے لیے کہتے ہوئے نہیں سنا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ رشتے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں لگتے تھے، اسی لیے ان کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''یہ سعد میرے ماموں ہیں، کوئی مجھے ایسا ماموں تو دکھائے۔''

اس روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بھی تیر چلائے جو کہ اس نازک وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہنے والوں میں شامل تھے۔

حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا اس روز مجاہدوں کو پانی پلا رہی تھیں، جب جنگ کا پانسہ پلٹا، مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلی تو یہ اس وقت بھی زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔



صحابہ اور صحابیات کی فداکاری

حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام نُسَیبَہ تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا اور مشرکوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوتے دیکھا تو بے چین ہوگئیں، جلدی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچیں اور تلوار کے ذریعہ دشمنوں سے لڑنے لگیں، تلوار چلاتے چلاتے جب زخمی ہوگئیں تو تیر کمان سنبھال لیا اور مشرکوں پر تیر چلانے لگیں، ایسے میں انھوں نے ابن قمیہ مشرک کو آتے دیکھا، وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا چلا آرہا تھا:

''مجھے بتاؤ... محمد کہاں ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے تو سمجھو، میں نہیں بچا۔''

یہ کہنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آج یا وہ رہیں گے یا میں رہوں گا، جب وہ قریب آیا تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا راستہ روکا، اسی وقت اس نے حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا پر حملہ کیا، ان کے کندھے پر زخم آیا، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس پر تلوار کے کئی وار کیے، مگر وہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا، ان کے وار سے محفوظ رہا۔ ان کی کوششوں کو دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تمہارے گھرانے میں برکت عطا فرمائے۔''

اس پر حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول! ہمارے لیے دعا فرمایئے کہ ہم جنت میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ انہیں جنت میں میرا رفیق اور ساتھی بنا۔"

اس وقت حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"اب مجھے اس کی پروا نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا گزرتی ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"احد کے دن میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا، امّ عمارہ کو دیکھتا تھا کہ میرے بچاؤ اور میری حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا کر دشمنوں سے لڑ رہی ہیں۔"

غزوہ احد میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو بارہ زخم آئے۔ ان میں نیزوں کے زخم بھی تھے اور تلواروں کے بھی۔

اس روز حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے جسم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنالیا تھا، جو تیر آتا، وہ اس کو اپنی کمر پر روکتے، یعنی انھوں نے اپنا منہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر رکھا تھا، اس طرح وہ تمام تیر اپنی کمر پر لے رہے تھے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہیں۔ اس طرح ان کی کمر میں بہت سے تیر پیوست ہو گئے۔

اسی طرح حضرت زیاد بن عمارہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی حفاظت میں مردانہ وار زخم کھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انہیں میرے قریب لاؤ۔"

ان کی خوش قسمتی دیکھیے کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لایا گیا، جب انہیں زمین پر لٹایا گیا تو انھوں نے اپنا منہ اور رخسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر رکھ دیے اور اسی حالت میں جان دے دی...... کس قدر مبارک موت تھی ان کی!!

اسی طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے ہوئے ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے، دراصل ابن قمیہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ رہا تھا، اس لیے کہ ان کی شکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ جب اس نے انہیں شہید کیا تو قریش کے سرداروں کو جا کر اطلاع دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے، حالانکہ اس نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

اسی دوران ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ اس پر کئی صحابہ اس کے راستے میں آ گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

''اسے میری طرف آنے دو۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھے:

''اے جھوٹے! کہاں بھاگتا ہے؟''

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کے ہاتھ سے ایک نیزہ لیا اور نیزے کی نوک ابی بن خلف کی گردن میں بہت ہی آہستہ سے چبھو دی، مطلب یہ کہ نیزہ اس قدر آہستہ چبھویا کہ اس کے خون بھی نہیں نکلا مگر اس ہلکی سی خراش ہی سے وہ بری طرح چیختا ہوا وہاں سے بھاگا... وہ کہہ رہا تھا:

''خدا کی قسم! محمد نے مجھے مار ڈالا۔''

مشرکوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور کہا:

''تو تو بہت چھوٹے دل کا نکلا... تیری عقل جاتی رہی، اپنے پہلو میں تیر لیے پھرتا ہے، تیراندازی کرتا ہے... اور تجھے کوئی زخم بھی نہیں آیا... لیکن چیخ کتنا رہا ہے، ایک معمولی سی خراش ہے، ایسی خراش پر تو ہم اُف بھی نہیں کرتے۔''

اس پر ابی بن خلف نے درد سے کراہتے ہوئے کہا:

''لات اور عزیٰ کی قسم! اس وقت مجھے جس قدر شدید تکلیف ہو رہی ہے، اگر وہ ذی

المجاز کے میلے میں سارے آدمیوں پر بھی تقسیم کر دی جائے تو سب کے سب مر جائیں۔"

بات دراصل یہ تھی کہ مکہ میں ابی بن خلف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا:

"اے محمد! میرے پاس ایک بہترین گھوڑا ہے، میں اسے روزانہ بارہ مرتبہ چارہ کھلا کر موٹا کر رہا ہوں، اس پر سوار ہو کر میں تمہیں قتل کروں گا۔"

اس کی بکواس سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "ان شاء اللہ! میں خود تجھے قتل کروں گا۔"

اب جب اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں خراش پہنچی تو اس کی ناقابل برداشت تکلیف نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا... وہ بار بار لوٹ پوٹ ہو رہا تھا اور کسی ذبح کیے ہوئے بیل کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ اس کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے اس کے کچھ ساتھی اسے ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن اس نے راستے ہی میں دم توڑ دیا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

"وہ شخص جسے نبی نے قتل کیا ہو یا جسے نبی کے حکم سے قتل کیا گیا ہو، اسے اس کے قتل کے وقت سے قیامت کے دن تک عذاب دیا جاتا رہے گا۔"

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "سب سے زیادہ سخت عذاب اسے ہوتا ہے جسے نبی نے خود قتل کیا ہو۔"

احد کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک فتنہ باز کافر ابو عامر نے جگہ جگہ گڑھے کھود دیے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان میں گر جائیں اور نقصان اٹھاتے رہیں، یہ شخص حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا... اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔

لڑائی جاری تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرتے دیکھا، انھوں نے آگے بڑھ کر فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں ہاتھوں پر لے لیا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اوپر اٹھا کر باہر نکالا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گڑھے میں گرے تو ابن قمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے، ان میں سے ایک پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لگا، عتبہ بن ابی وقاص نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر لگا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور لہولہان ہو گیا اور نچلا ہونٹ پھٹ گیا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جب عتبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکتے دیکھا تو اس کی طرف لپکا، میں نے اس کا تعاقب کیا اور آخر اسے جا لیا، میں نے فوراً ہی اس پر تلوار کا وار کیا، اس وار سے اس کی گردن کٹ کر دور جا گری، میں نے فوراً اس کی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ کو عتبہ کے قتل کی خبر سنائی...... تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تم سے راضی ہو گیا، اللہ تم سے راضی ہو گیا۔''

اس حملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود (لوہے کی ٹوپی) بھی ٹوٹا، چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا، ابن قمیہ کے حملے سے دونوں رخسار بھی زخمی ہوئے تھے، خود کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسارِ مبارک میں گڑ گئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن قمیہ کو بددعا دی:

''اللہ تجھے ذلیل اور پست کر دے، برباد کر دے۔''



موت کے نرغہ میں

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی۔ اس جنگ کے بعد جب ابن قمیہ اپنی بکریوں کے گلّے میں پہنچا تو انہیں لے کر پہاڑ پر چڑھا، وہ بکریوں اور مینڈھوں کو گھیر گھیر کر لے جا رہا تھا کہ اچانک ایک مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا، اس نے اسے اس زور سے سینگ مارا کہ وہ پہاڑ سے نیچے لڑھک گیا اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور خون بہنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو اس لیے خون سے رنگین کر دیا کہ وہ انہیں ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں خود کی کڑیاں گھس گئی تھیں، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے ان کڑیوں کو کھینچ کھینچ کر نکالا، اس کوشش کے دوران ان کا اپنا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا... بہرحال کڑی نکل گئی، پھر انھوں نے دوسری کڑی کو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تو ایک دانت اور ٹوٹ گیا... تاہم کڑی بھی نکل گئی۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو

دانت ٹوٹ جانے کے بعد ان کا چہرہ بدنما ہو جاتا، لیکن ہوا یہ کہ وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گیا۔

جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھا اور پکارے:

''اے مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ موجود ہیں۔''

جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھا تو پروانوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے ساتھ ایک گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم تھے۔

اس روز حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھی زبردست ثابت قدمی دکھائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں موت کی بیعت کی تھی، یعنی یہ عہد کیا تھا کہ آپ کی حفاظت میں جان تو دے دیں گے، لیکن ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان صحابہ کے ساتھ گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ عثمان بن عبداللہ ایک سیاہ اور سفید گھوڑے پر سوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا، وہ لوہے میں پوری طرح غرق تھا، آپ اس کی آواز سن کر رک گئے۔ اسی وقت عثمان بن عبداللہ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی، وہ ایک گڑھے میں گر گیا، ساتھ ہی حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اپنی تلوار سے اس پر وار کیا، اس نے تلوار کا وار روکا... تھوڑی دیر دونوں طرف سے تلوار چلتی رہی، پھر اچانک حضرت حارث نے اس کے پیر پر تلوار ماری، وہ زخم کھا کر بیٹھ گیا... حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے ایک بھرپور وار کر کے اس کا خاتمہ کر دیا، اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے ہلاک کر دیا۔''

اسی وقت عبداللہ بن جابر عامری نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اس کی تلوار حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے کندھے پر لگی، کندھا زخمی ہو گیا... ان لمحات میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جابر پر حملہ کر دیا اور اپنی تلوار سے اسے ذبح کر ڈالا۔

مسلمان حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لے گئے، تا کہ ان کی مرہم پٹی کی جا سکے۔

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹان کے اوپر جانے کا ارادہ فرمایا جو گھاٹی کے اندر ابھری ہوئی تھی، لیکن زخموں سے خون نکل جانے اور زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چڑھ نہ سکے، یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاندھوں پر بٹھا کر چٹان کے اوپر لے گئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''طلحہ کے اس نیک عمل کی وجہ سے ان پر جنت واجب ہو گئی۔''

ان کی ایک ٹانگ میں لنگڑاہٹ تھی، جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر چلے تو چال میں لنگڑاہٹ تھی، اب ان کی کوشش یہ تھی کہ لنگڑاہٹ نہ ہو... تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر چلنے کی برکت سے ان کا لنگڑاہٹ دور ہو گیا۔

اس وقت تک جنگ کی یہ خبریں مدینہ منورہ میں پہنچ چکی تھیں، لہٰذا وہاں سے عورتیں میدانِ احد کی طرف چل پڑیں، ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی دیکھا تو بے اختیار آپ سے لپٹ گئیں، پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھویا، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی ڈالنے لگے، لیکن زخموں سے خون اور زیادہ بہنے لگا، تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر جلایا، جب وہ جل کر راکھ ہو گیا تو وہ راکھ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں میں بھر دی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں سے خون بہنے کا سلسلہ رکا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس چٹان پر پہنچے تو دشمن کی ایک جماعت پہاڑ کے اوپر پہنچ گئی، اس جماعت میں خالد بن ولید بھی تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو دیکھ کر فرمایا:

''اے اللہ ہماری طاقت اور قوت صرف تیری ہی ذات ہے۔''

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل کر پہاڑ سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی، کمزوری کی وجہ سے یہ نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔

اس لڑائی میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر تقریباً 70 زخم آئے، یہ نیزوں، بر. اور تلواروں کے تھے، تلوار کے ایک وار سے ان کی انگلیاں بھی کٹ گئیں، دوسرے ہاتھ میں ان کو ایک تیر آ کر لگا تھا، اس سے مسلسل خون بہنے لگا، یہاں تک کہ کمزوری کی وجہ سے ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اس سے انہیں ہوش آیا تو فوراً پوچھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''خیریت سے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کا شکر ہے، ہر مصیبت کے بعد آسانی ہوتی ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منہ پر ضرب لگی۔ اس ضرب سے ان کے دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے علاوہ ان کے جسم پر بیس زخم تھے۔ ایک زخم ایک پیر پر بھی آیا تھا۔ اس سے وہ لنگڑے ہوگئے تھے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے جسم پر بھی بیس کے قریب زخم آئے تھے۔ غرض اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدید زخمی ہوئے تھے۔

احد کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک شخص قزمان نامی بھی مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ وہ احد کی لڑائی میں بہت بہادری سے لڑا، لڑائی شروع ہونے پر سب سے پہلا تیر بھی اسی نے چلایا تھا، لڑتے لڑتے وہ مشرکوں کے اونٹ سوار دستے پر ٹوٹ پڑا اور آٹھ دس مشرکوں کو آن کی آن میں قتل کر ڈالا۔ بعض صحابہ نے اس کی بہادری کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا... اس تذکرے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے تو اسے جہنمی فرمایا ہے اور وہ اس قدر دلیری سے لڑ رہا ہے... اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا:

"یہ شخص جہنمی ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر بہت حیران ہوئے...



مشرکین کی واپسی

جب قزمان لڑتے لڑتے بہت زخمی ہو گیا تو اسے اٹھا کر بنی ظفر کے محلے میں پہنچایا گیا۔ یہاں لوگ اس کی تعریف کرنے لگے، اس پر وہ بولا:

''مجھے کیسی خوش خبری سنا رہے ہو، خدا کی قسم! میں تو صرف اپنی قوم کی عزت اور فخر کے لیے لڑا ہوں۔ اگر قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ لڑتا۔''

اس کے ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ بلند کرنے کے لیے نہیں لڑا تھا... پھر زخموں کی تکلیف ناقابل برداشت ہوگئی۔ اس نے اپنی تلوار نکالی، اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ اس طرح تلوار اس کے سینے کے آر پار ہوگئی... اس طرح وہ حرام موت مرا۔ اسے اس طرح مرتے دیکھ کر ایک شخص دوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ نے دریافت فرمایا:

''کیا ہوا؟''

جواب میں اس نے کہا:

''آپ نے جس شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، اس نے خودکشی کر لی

ہے۔''

اس طرح قزمان کے بارے میں آپ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی، اس کے بالکل الٹ ایک واقعہ یوں پیش آیا کہ بنی عبدالاشہل کا ایک شخص اصیرم ہمیشہ اپنی قوم کو اسلام لانے سے روکتا تھا... جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، یہ شخص مدینہ آیا اور اپنی قوم کے لوگوں کے بارے میں معلوم کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ بنی عبدالاشہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ جب اسے یہ بات معلوم ہوئی تو اچانک اس نے اسلام کے لیے رغبت محسوس کی، اس نے زرہ پہنی، اپنے ہتھیار ساتھ لیے اور میدان جنگ میں پہنچ گیا، پھر مسلمانوں کی ایک صف میں شامل ہو کر کافروں سے جنگ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہو گیا۔ جنگ کے بعد بنی عبدالاشہل کے لوگ اپنے مقتولوں کو تلاش کر رہے تھے کہ اصیرم پر نظر پڑی۔ انھوں نے اسے پہچان لیا... اسے میدان جنگ میں زخموں سے چور دیکھ کر اس کے قبیلے کے لوگوں کو بہت حیرت ہوئی۔ انھوں نے پوچھا:

''تم یہاں کیسے آ گئے... قومی جذبہ لے آیا یا اسلام سے رغبت ہوگئی ہے؟''

اصیرم نے جواب دیا:

''میں اسلام سے رغبت کی بنیاد پر شریک ہوا ہوں۔ پہلے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر میدان میں آ کر جنگ کی... یہاں تک کہ اس حالت کو پہنچ گیا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مجھے ایسے شخص کا نام بتاؤ جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی مگر وہ جنت میں چلا گیا۔ ان کا اشارہ حضرت اصیرم رضی اللہ عنہ کی طرف ہوتا تھا۔

اس لڑائی میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ احد کی لڑائی سے ایک دن پہلے ان کی شادی ہوئی تھی۔ دوسری صبح ہی غزوہ احد کا اعلان ہو گیا... یہ غسل کے بغیر لشکر میں شامل ہو گئے اور اسی حالت میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔''

اسی بنیاد پر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ''غسیل الملائکہ'' کہا گیا، یعنی وہ شخص جنھیں فرشتوں نے غسل دیا۔

غزوہ احد میں جنگ کے دوران ایک مشرک ابن عویف جنگ جو اپنی صفوں سے نکل کر آگے آیا اور مقابلے کے لیے للکارا، ایک صحابی آگے بڑھے اور ابن عویف پر تلوار کا وار کیا، ساتھ ہی انھوں نے کہا:

''لے میرا وار سنبھال میں ایک فارسی غلام ہوں۔''

ابن عویف کی زرہ کندھے پر سے کٹ گئی، تلوار اس کے کندھے کو کاٹ گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جملہ سنا تو فرمایا:

''تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ لے میرا وار سنبھال! میں ایک انصاری غلام ہوں۔''

اب ابن عویف کا بھائی آگے بڑھا، ان صحابی نے اس پر وار کیا اور اس کی گردن اڑا دی، اس مرتبہ انھوں نے وار کرتے وقت کہا۔

''لے میرا وار سنبھال! میں ایک انصاری غلام ہوں۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

''تم نے خوب کہا۔''

اسی غزوہ میں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، یہ لنگڑے تھے، ان کے چار بیٹے تھے، جب یہ جنگ کے ارادے سے چلنے لگے تو چاروں بیٹوں نے ان سے کہا تھا:

''ہم جا رہے ہیں... آپ نہ جائیں۔''

اس پر حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''اللہ کے رسول! میرے بیٹے مجھے جنگ میں جانے سے روک رہے ہیں... مگر اللہ کی

قسم میری تمنا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم معذور ہو، لہٰذا جہاد تم پر فرض نہیں ہے۔''

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹوں سے فرمایا:

''تمھیں اپنے باپ کو جہاد سے روکنا نہیں چاہیے، ممکن ہے، اللہ انھیں شہادت نصیب فرمادے۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے ہتھیار سنبھالے اور نکل کھڑے ہوئے، انھوں نے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! مجھے شہادت کی نعمت عطا فرما اور گھر والوں کے پاس زندہ آنے کی رسوائی سے بچا۔''

چنانچہ یہ اسی جنگ میں شہید ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردیتے ہیں... انھی لوگوں میں سے عمرو بن جموح بھی ہیں، میں نے انھیں جنت میں ان کے اسی لنگڑے پن کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا ہے۔''

اسی جنگ میں ان کے ایک بیٹے خلاد رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے اور ان کے سالے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام ہندہ بنتِ حزام تھا، جنگ کے بعد یہ اپنے شوہر، اپنے بیٹے اور اپنے بھائی کی لاشیں ایک اونٹ پر ڈال کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے لگیں، تاکہ انھیں مدینہ منورہ میں دفن کیا جاسکے، لیکن اونٹ نے آگے جانے سے انکار کردیا اور بیٹھ گیا۔ اس کا رخ میدانِ احد کی طرف کیا جاتا تو چلنے لگتا، مدینہ منورہ کی

طرف کرتے تو بیٹھ جاتا، آخر حضرت ہندہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ صورتِ حال بیان کی : یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ اونٹ مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم دیا گیا ہے کہ یہ مدینہ نہ جائے) اس لیے ان تینوں کو یہیں دفن کردو۔''

اس سلسلے میں یہ روایت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا کہ کیا عمرو بن جموح نے چلتے وقت کچھ کہا تھا، تب آپ کو بتایا گیا کہ انھوں نے دعا کی تھی، اے اللہ! مجھے زندہ واپس آنے کی رسوائی سے بچانا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ اونٹ مدینہ منورہ نہیں جائے گا۔

چنانچہ ان تینوں کو وہیں میدانِ احد میں دفن کیا گیا، مشرکوں کے ساتھ آنے والی عورتوں نے شہید ہونے والے مسلمانوں کا مثلہ کیا تھا... یعنی ان کے ناک کان اور ہونٹ وغیرہ کاٹ ڈالے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی انھوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ ہندہ (حضرت ابوسفیانؓ کی اہلیہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔) نے ان کا کلیجہ نکال کر چبایا مگر اس کو نگل نہ سکی۔

لاشوں کو مثلہ کرنے کے بعد مشرک واپس لوٹے... مسلمانوں نے بھی انھیں روکنے کی کوشش نہ کی... کیونکہ سب کی حالت خستہ تھی، البتہ ایسے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''دشمن کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو، وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے لے جارہے ہیں تو سمجھو، وہ مکہ جارہے ہیں، لیکن اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو سمجھو وہ مدینہ جارہے ہیں، اور قسم ہے، اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر انھوں نے مدینہ کا رخ کیا تو میں ہر قیمت پر مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے، آخر معلوم ہوا کہ مشرکوں نے مکہ جانے کا ارادہ کرلیا ہے، اس طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو اپنے مقتولین کی فکر ہوئی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی سعد بن ربیع کا حال معلوم کر کے آئے... میں نے ان کے اوپر تلواریں چمکتی دیکھی تھیں۔''

اس پر کچھ صحابہ کرام ان کا حال معلوم کرنے کے لیے جانے لگے، اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اگر تم سعد بن ربیع کو زندہ پاؤ تو ان سے میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ رسول اللہ تم سے تمہارا حال پوچھتے ہیں۔''

ایک انصاری مسلمان نے آخر حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کرلیا، وہ زخموں سے چور چور تھے، تاہم ابھی جان باقی تھی۔



شہداءِ اُحد کی تدفین

ان صحابی نے فوراً حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا حال پوچھتے ہیں، زندوں میں ہو یا مردوں میں ہو؟''

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں اب مردوں میں ہوں۔ میرے جسم پر نیزوں کے بارہ زخم لگے ہیں، میں اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ مجھ میں سکت باقی تھی۔ اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ ابن ربیع آپ کے لیے عرض کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے وہی بہترین جزا عطا فرمائے جو ایک امت کی طرف سے اس کے نبی کو مل سکتی ہے، نیز میری قوم کو بھی میرا اسلام پہنچا دینا اور ان سے کہنا کہ سعد بن ربیع تم سے کہتا ہے کہ اگر ایسی صورت میں تم نے دشمن کو اللہ کے نبی تک پہنچنے دیا کہ تم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے تو اس جرم کے لیے اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

یہ کہنے کے چند لمحے بعد ہی ان کی روح نکل گئی... وہ انصاری صحابی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سعد پر رحمت فرمائے، اس نے صرف اللہ اور رسول کے لیے زندگی میں بھی

اور مرتے وقت بھی (دونوں حالتوں میں) خیر خواہی کی ہے۔''

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں تھیں، ان کی ایک صاحبزادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک مرتبہ ان سے ملنے کے لیے آئیں۔ آپ نے ان کے لیے چادر بچھا دی۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''یہ خاتون کون ہیں؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ اس شخص کی بیٹی ہے، جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اے خلیفۂ رسول! وہ کون شخص تھا؟''

آپ نے فرمایا:

''وہ شخص وہ تھا جو سبقت کر کے جنت میں پہنچ گیا، میں اور تم رہ گئے، یہ سعد بن ربیع کی صاحبزادی ہیں۔''

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت ایک شخص نے عرض کیا:

''میں نے انھیں چٹانوں کے قریب دیکھا ہے، وہ اس وقت کہہ رہے تھے، میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔''

اس کے بتانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چٹانوں کی طرف چلے جہاں اس شخص نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا، آخری وادی کے درمیان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کی لاش نظر آئی۔ حالت یہ تھی کہ ان کا پیٹ چاک تھا اور ناک کان کاٹ ڈالے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ منظر بہت دردناک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس جیسا تکلیف دہ منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوب روئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا آپ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر روئے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اپنی والدہ کو اس طرف نہ آنے دینا، وہ پیارے چچا کی نعش دیکھنے نہ پائیں۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حکم سنتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے راستے پر پہنچ گئے، اس طرف سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا چلی آرہی تھیں، وہ انھیں دیکھتے ہی بولے:

''ماں! آپ واپس چلی جائیں۔''

اس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

''کیوں چلی جاؤں؟... مجھے معلوم ہے، میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے، مگر یہ سب خدا کی راہ میں ہوا ہے، میں ان شاء اللہ صبر کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔''

ان کا جواب سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کا جواب آپ کو بتایا، تب آپ نے فرمایا:

''اچھا! انھیں آنے دو۔''

چنانچہ انھوں نے آکر بھائی کی لاش کو دیکھا، ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن'' پڑھا اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حمزہ کے لیے کفن کا انتظام کرو۔''

ایک انصاری صحابیؓ آگے بڑھے۔ انھوں نے اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ پھر ایک صحابیؓ آگے بڑھا۔ انھوں نے بھی اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جابر! ان میں سے ایک چادر تمہارے والد کے لیے اور دوسری میرے چچا کے لیے ہوگی۔''

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی کفن کے لیے صرف ایک چادر ملی، وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا تھا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔''

یہ معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ تھے جو اسلام لانے سے پہلے قیمتی لباس پہنتے تھے، ان کا لباس خوشبوؤں سے مہکا کرتا تھا۔ آج ان کی میت کے لیے پورا کفن بھی میسر نہیں تھا۔

باقی شہداء کو اس طرح کفن دیا گیا کہ ایک ایک چادر میں دو دو تین تین لاشوں کو لپیٹ کر ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔

غزوہ احد کے شہداء میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے ایک دن پہلے دعا کی تھی:

''اے اللہ! کل کسی بہت طاقتور آدمی سے میرا مقابلہ ہو جو مجھے قتل کرے، پھر میری لاش کا مثلہ کرے... پھر میں قیامت میں تیرے سامنے حاضر ہوں تو تو مجھ سے پوچھے، اے عبداللہ! تیری ناک اور کان کس وجہ سے کاٹے گئے؟ تو میں کہوں گا کہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت وجہ سے اور اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں، تو نے سچ کہا۔''

چنانچہ یہ اس لڑائی میں شہید ہوئے اور ان کی لاش کا مثلہ کیا گیا، لڑائی کے دوران ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں جاتے ہی تلوار بن گئی اور یہ اسی سے لڑے۔

اس جنگ میں حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے

تھے۔ان کے چہرے پر زخم آیا تھا۔اس زخم کی وجہ سے جب ان کا آخری وقت آیا تو ان کا ہاتھ اس زخم پر تھا۔ جب ان کی لاش اٹھائی گئی اور ہاتھ کو زخم پر سے اٹھایا گیا تو زخم سے خون جاری ہو گیا۔اس پر ان کے ہاتھ کو پھر زخم پر رکھ دیا گیا۔ جونہی ہاتھ رکھا گیا،خون بند ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ کافی مدت بعد احد کے میدان میں سیلاب آ گیا،اس سے وہ قبر کھل گئی...... لوگوں نے دیکھا کہ ان دونوں لاشوں میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا...... بالکل تروتازہ تھیں...... یوں لگتا تھا جیسے ابھی کل ہی دفن کی گئی ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اسی طرح اس زخم پر تھا...... کسی نے ان کا ہاتھ ہٹا دیا...... ہاتھ ہٹاتے ہی خون جاری ہو گیا، چنانچہ ہاتھ پھر زخم پر رکھ دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں میدانِ احد سے ایک نہر کھدوائی، یہ نہر شہداء کی قبروں کے درمیان سے نکالی گئی، اس لیے انھوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے مردوں کو ان قبروں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیں... لوگ روتے ہوئے وہاں پہنچے، انھوں نے قبروں میں سے لاشوں کو نکالا تو تمام شہداء کی لاشیں بالکل تروتازہ تھیں، نرم ملائم تھیں، ان کے تمام جوڑ نرم تھے اور یہ واقعہ غزوہ احد کے چالیس سال بعد کا ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نکالنے کے لیے ان کی قبر کھودی جا رہی تھی تو ان کے پاؤں پر کدال لگ گئی۔



شہداء کا مرتبہ

کدال کا لگنا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں سے خون جاری ہو گیا۔ گویا ان کا جسم اس طرح تروتازہ تھا جیسے کسی زندہ انسان کا ہوتا ہے، یہاں تک کہ خون بھی خشک نہیں ہوا تھا اور خون شریانوں میں اس طرح جاری تھا کہ ذرا سی کدال لگتے ہی پیر سے جاری ہو گیا۔ دوسری یہ بات سامنے آئی کہ ان لاشوں سے مشک جیسی خوشبو مہک رہی تھی... یہ واقعہ غزوہ احد کے تقریباً پچاس سال بعد کا ہے، جب کہ مدینہ منورہ کی مٹی اس قدر شور (نمکیات والی) ہے کہ پہلی ہی رات لاش میں تبدیلی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا، جس طرح زمین انبیاء کے جسموں میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی، اسی طرح شہداء کے جسم بھی سلامت رہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی ربیع رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، یہ ان کے چچازاد بھائی تھے۔ بعض لوگ اپنے شہداء کو احد سے مدینہ منورہ لے گئے تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ انہیں واپس لایا جائے اور میدانِ احد ہی میں دفن کیا جائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے شہداء کے بارے میں فرمایا:

''میں ان سب کا گواہ ہوں... جو زخم بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہے، اللہ

تعالیٰ قیامت کے دن اس زخم کو دوبارہ اس حالت میں پیدا فرمائیں گے کہ اس کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔“

غزوہ احد میں شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”اے جابر! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتادوں؟... اور وہ یہ کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی شہید سے کلام فرماتا ہے تو پردوں میں سے کلام فرماتا ہے، لیکن اس ذاتِ حق نے تمہارے باپ سے روبرو کلام فرمایا اور فرمایا، مجھ سے مانگو، میں عطا کروں گا۔ انھوں نے کہا: ”اے باری تعالیٰ! مجھے پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہاں پہنچ کر میں ایک بار پھر تیری راہ میں قتل ہوسکوں۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”یہ میری عادت کے خلاف ہے کہ مردوں کو دوبارہ دنیا میں لوٹاؤں۔“

انھوں نے عرض کیا:

”پروردگار! جو لوگ میرے پیچھے دنیا میں باقی ہیں، ان تک یہ بات پہنچا دے کہ یہاں شہدا کو کیسے کیسے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: ”اور اے مخاطب! جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انھیں مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ انھیں رزق بھی ملتا ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی دینار کی ایک عورت کے پاس پہنچے۔ اس عورت کا شوہر، باپ اور بھائی اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان کا بیٹا بھی شہید ہوا تھا... جب لوگوں نے انھیں یہ خبر سنائی تو انھوں نے فوراً پوچھا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟“

لوگوں نے بتایا:

''اللہ کا شکر ہے... آپ بخیروعافیت ہیں۔''

اس پر اس عورت نے کہا:

''میں آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔''

پھر جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھ لیا تو بولیں:

''آپ خیریت سے ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔'' یعنی اب کسی غم کی کوئی اہمیت نہیں۔

غزوہ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں زخم آ گیا تھا... یہاں تک کہ آنکھ ڈیلے سے باہر نکل کر لٹک گئی تھی۔ لوگوں نے اسے کاٹ ڈالنا چاہا، اور اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کاٹو نہیں۔''

پھر انھیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر ہتھیلی سے اس کی جگہ پر رکھ دی۔ پھر یہ دعا پڑھی:

''اے اللہ! ان کی آنکھ کو ان کے حسن اور خوب صورتی کا ذریعہ بنا دے۔''

چنانچہ یہ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ خوب صورت اور تیز ہو گئی... حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو کبھی آنکھ کی تکلیف ہوتی تو دوسری میں ہوتی، اس آنکھ پر اس تکلیف کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

ایک اور صحابی کی گردن میں ایک تیر آ کر پیوست ہو گیا... وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ زخم فوراً ٹھیک ہو گیا۔

غزوہ احد میں اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ کے دوران ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، جب وہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے جھنڈے کو تھام لیا، اس وقت وہ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

ترجمہ: ''اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہی تو ہیں، اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران: 144)

جب انھوں نے جنگ کے دوران کسی کو یہ کہتے سنا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم قتل کر دیے گئے تو خود بخود ان کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

غرض جنگ ختم ہوئی اور شہداء کو دفن کر دینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت شہداء اور ان کے عزیزوں کے لیے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ ان کے دلوں سے رنج اور غم کو مٹا دے، ان کی مصیبتوں کو دور فرما دے اور شہیدوں کے جانشینوں کو ان کا بہترین جانشین بنا دے۔''

مدینہ پہنچنے پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار خون آلود دیکھ کر فرمایا:

''اگر تم نے جنگ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے تو فلاں فلاں نے بھی خوب جہاد کیا ہے۔''

غزوہ احد میں 70 کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔ مرنے والے مشرکوں کی تعداد مختلف بتائی جاتی ہے۔ جب اللہ کے رسول مدینہ منورہ پہنچے تو مسلمانوں کی شکست پر منافقوں اور یہودیوں کی زبانیں کھل گئیں۔ وہ کھلے عام مسلمانوں کو برا کہنے لگے، خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ مثلاً وہ کہتے پھرتے تھے:

''محمد صرف حکومت کرنے کے شوقین ہیں، آج تک کسی نبی نے اس طرح نقصان نہیں اٹھایا جس طرح انھوں نے اٹھایا ہے، خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے اتنے ساتھیوں کو بھی مروایا ہے۔'' (معاذ اللہ)

کبھی کہتے:

''تمہارے جو ساتھی مارے گئے، اگر وہ ہمارے ساتھ رہتے تو اس طرح اپنی جانیں نہ گنواتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک ان کی یہ باتیں پہنچیں تو انھیں بہت غصہ آیا۔ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں ان لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دیں۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا یہ لوگ یعنی منافقین ظاہر میں مسلمان نہیں ہیں، کیا یہ کلمہ نہیں پڑھتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

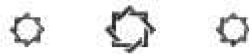
''بے شک کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ ایسا تلوار کے خوف سے کرتے ہیں، اب ان کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے، ان کے دلوں میں جو کینہ اور فساد ہے، وہ سامنے آ گیا ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اسلام کا اعلان کرے، چاہے ظاہری طور پر ہی کرے، مجھے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔''

غزوہ احد کے دوسرے ہی روز، صبح سویرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد مدینہ منورہ میں یہ اعلان کر رہا تھا:

''مسلمانو! قریش کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''



غزوہ حمراء الاسد اور کفّار کی پسپائی

یہ اعلان قریش کو ڈرانے کے لیے کیا گیا تھا، تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے تعاقب میں تشریف لا رہے ہیں اور ساتھ میں انھیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں میں ابھی بھی طاقت موجود ہے، اُحد کی شکست کی وجہ سے وہ کمزور نہیں ہو گئے۔

اس طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ روانہ ہوئے، سب لوگ زخمی تھے، مگر کسی نے بھی اپنے زخموں کی پروا نہ کی... جب کہ حالت یہ تھی کہ صرف بنوسلمہ کے چالیس آدمی زخمی ہوئے تھے، خود اللہ کے رسول بھی زخمی تھے اور اسی حالت میں صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کی صورت یہ تھی کہ چہرہ مبارک زرہ کی کڑیاں گڑ جانے کی وجہ سے زخمی تھا۔ چہرۂ مبارک پر پتھر کا ایک زخم بھی تھا، نچلا ہونٹ اندر کی طرف سے زخمی تھا، ایک روایت میں اوپر کا ہونٹ زخمی ہونے کا ذکر بھی موجود ہے، ان زخموں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں کندھا بھی زخمی تھا، اس کندھے پر ابن قمیہ نے اس وقت وار کیا تھا جب آپ گڑھے میں گرے تھے، گڑھے میں گر جانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنے بھی زخمی تھے، ایسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''طلحہ! تمہارے ہتھیار کہاں ہیں؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''یہیں ہیں اے اللہ کے رسول!''

یہ کہ کر وہ جلدی سے گئے اور ہتھیار پہن کر آ گئے، حالانکہ ان کے صرف سینے پر نو زخم تھے جبکہ پورے جسم پر ستر زخم تھے.... اللہ اکبر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ حمراء الاسد کے مقام پر ٹھہرا، یہ جگہ مدینہ منورہ سے تقریباً 12 کلومیٹر دور ہے، اس مقام پر مسلمانوں نے تین دن تک قیام کیا، ہر رات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پڑاؤ میں جگہ جگہ آگ روشن کرتے رہے تا کہ دشمن کو دور سے روشنیاں نظر آتی رہیں، اس تدبیر سے دشمن نے خیال کیا کہ مسلمان بڑی تعداد کے ساتھ آئے ہیں، چناں چہ ان پر رعب پڑ گیا۔

اس مہم کو غزوہ حمراء الاسد کہا جاتا ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس غزوے میں مسلمانوں کے پاس کھانے کے لیے صرف کھجوریں تھیں یا پھر اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

کفار نے جب یہ خبریں سنیں کہ مسلمان تو ایک بار پھر تیاری کے ساتھ میدان میں موجود ہیں تو وہ مکّہ کی طرف لوٹ گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ کوچ فرمایا۔

حمراء الاسد کے مقام پر مسلمانوں نے ابوعزہ شاعر کو گرفتار کیا۔ یہ شخص مسلمانوں کے خلاف اشعار کہا کرتا تھا، غزوہ بدر کے موقع پر بھی گرفتار ہوا تھا۔ گرفتار ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تھا تو گڑگڑانے لگا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر اسے چھوڑ دیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف اشعار نہیں کہے گا... لیکن یہ اپنے وعدے سے پھر گیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف اشعار کہتا رہا تھا۔ اس موقع پر یہ پھر گرفتار ہوا۔ اب پھر اس نے رونا گڑگڑانا شروع کیا۔ لگا معافی مانگنے... اس نے کہا:

''اے محمد! مجھے چھوڑ دیجیے! مجھ پر احسان کیجیے! میری بیٹیوں کی خاطر رہا کر دیجیے، میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! اب تو مسلمانوں کو دکھ نہیں پہنچا سکے گا۔'' اس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا:

''مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وضاحت علماء نے یہ لکھی ہے کہ مومن کو چاہیے کوئی اسے دھوکا دے تو اس سے ہوشیار رہے اور پھر اس کے دھوکے میں نہ آئے۔

اسی سال یعنی 3 ہجری میں شراب حرام ہوئی۔

4 ہجری میں غزوہ بنونضیر پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو نضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ایک ضروری معاملے میں بنونضیر سے بات طے کرنا تھی۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کو کسی کا خون بہا دینا پڑا تو بنونضیر بھی اس سلسلے میں مدد کریں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے محلے میں تشریف لے گئے تو صحابہ کرام کی ایک مختصر سی جماعت بھی ساتھ تھی۔ ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر ان سے بات شروع کی تو وہ بولے:

''ہاں ہاں! کیوں نہیں... ہم ابھی رقم ادا کر دیتے ہیں، آپ پہلے کھانا کھا لیں۔''

اس طرح وہ بظاہر بہت خوش ہو کر ملے، لیکن دراصل وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش پہلے سے تیار کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے ایک دیوار کے ساتھ بٹھایا۔ پھر ان میں سے ایک یہودی اس مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ وہ چھت سے حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک بڑا سا پتھر گرانا چاہتا تھا۔ ابھی وہ ایسا کرنے ہی والا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے باخبر کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے وہاں سے اٹھے۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں دیر ہوئی تو صحابہ کرام حیران ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے۔ انھیں مدینہ منورہ سے آتا ہوا ایک شخص دکھائی دیا... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں دیکھ کر آ رہا ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً مدینہ منورہ پہنچے۔ تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سازش کے بارے میں بتایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنونضیر کے پاس بھیجا اور انھیں یہ پیغام دیا:

"میرے شہر (یعنی مدینہ) سے نکل جاؤ، تم لوگ اب اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ اس لیے کہ تم نے جو منصوبہ بنایا تھا، وہ غداری تھی۔"

تمام یہودیوں کو یہ بھی بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انھوں نے کیا سازش کی تھی، اس لیے کہ سب کو اس بارے میں معلوم نہیں تھا۔ سازش کی تفصیل سن کر یہودی خاموش رہ گئے۔ کوئی منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکا۔ پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم دس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ، اس مدت کے بعد جو شخص بھی یہاں پایا گیا، اس کی گردن ماردی جائے گی۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر یہودیوں نے وہاں سے کوچ کی تیاریاں

شروع کر دیں... اونٹوں وغیرہ کا انتظام کرنے لگے، لیکن ایسے میں منافقوں کی طرف سے انھیں پیغام ملا کہ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر ہرگز کہیں نہ جاؤ، ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں، اگر جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اور اگر تم لوگوں کو یہاں سے نکلنا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔''

یہودیوں کو روکنے میں سب سے زیادہ کوشش منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے کی، اس نے یہودیوں کو پیغام بھیجا:

''اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر مت جاؤ، اپنی حویلیوں میں جمے رہو... میرے ساتھ دو ہزار جانباز ہیں، ان میں میری قوم کے لوگ بھی ہیں اور عرب کے دوسرے قبائل بھی ہیں، وقت آن پڑا تو یہ لوگ تمہاری حویلیوں میں پہنچ جائیں گے اور آخر دم تک لڑیں گے، تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے، تم سے پہلے جانیں دیں گے... ہمارے ساتھ قبیلہ بنی قریظہ کے لوگ بھی ہیں اور قبیلہ غطفان کے لوگ بھی... یہ سب تمہاری طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔''

بنی نضیر کو یہ پیغامات ملے تو انھوں نے جلا وطن ہونے کا خیال ترک کر دیا... چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا:

''ہم اپنا وطن چھوڑ کر ہرگز نہیں جائیں گے... آپ کا جو جی چاہے، کر لیں۔''

یہ پیغام سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ تکبیر بلند کیا، آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا:

''یہودی جنگ پر آمادہ ہیں، لہٰذا جہاد کی تیاری کرو۔''

مسلمانوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی، اس وقت یہودیوں کو جنگ پر ابھارنے والا شخص حیی بن اخطب تھا، اسی شخص کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ام المؤمنین کا اعزاز پایا۔ حیی بن اخطب بنو نضیر کا سردار تھا، بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار سلام بن مشکم نے اسے سمجھانے اور جنگ سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن حیی بن اخطب منافقوں کی شہہ پر باز نہ آیا اور جنگ

پر تلا رہا، اس پر سلام بن مشکم نے اس سے کہا:

''تم نے میری بات نہیں مانی، اب تم دیکھنا، ہم اپنے وطن سے بے وطن کر دیے جائیں گے، ہماری عزت خاک میں مل جائے گی، ہمارے گھر والے قیدی بنا لیے جائیں گے اور ہمارے نوجوان اس جنگ میں مارے جائیں گے۔''

حیی بن اخطب پر اس کا بھی اثر نہ ہوا۔



غزوۂ بنی نضیر اور غزوۂ بنی مصطلق

آخر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کے ساتھ بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس موقع پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ جنگی پرچم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اٹھایا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اسلامی لشکر کے ساتھ آگے بڑھے۔ شام کے وقت مسلمان بنو نضیر کی بستی میں پہنچ گئے اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر یہودی اپنی حویلیوں میں بند ہو گئے اور چھتوں پر سے تیر برسانے لگے، پتھر گرانے لگے۔

وہ دن اسی طرح گزرا۔ دوسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک قبے (گنبد نما سائبان) میں قیام پذیر ہوئے، جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا۔

یہودیوں میں سے ایک شخص کا نام غزول تھا، وہ زبردست تیرانداز تھا... اس کا پھینکا ہوا تیر دور تک جاتا تھا۔ اس نے ایک تیر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قبے کی طرف پھینکا۔ تیر وہاں تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قبے کو ذرا دور منتقل کر دیا۔

رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ غائب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی، انھوں نے آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! علی نظر نہیں آ رہے۔"

آپ نے فرمایا:

"فکر نہ کرو، وہ ایک کام سے گئے ہیں۔"

کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غزول کا سر اٹھائے ہوئے آ گئے۔ اب ساری صورتحال کا پتا چلا، جب غزول نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سائبان کی طرف تیر پھینکا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی وقت سے اس کے پیچھے لگ گئے تھے اور آخر اس کا سر کاٹ لائے۔ اس کے ساتھ دس آدمی اور تھے، وہ غزول کو قتل ہوتے دیکھ کر بھاگ لیے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس آدمی اور بھی روانہ فرمائے تھے۔ ان میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ جماعت ان لوگوں کی تلاش میں نکلی... جو غزول کے مارے جانے پر بھاگ نکلے تھے۔ آخر اس جماعت نے انھیں جا لیا اور سب کو قتل کر دیا۔

بنو نضیر کا محاصرہ جاری رہا، یہاں تک کہ چھ راتیں گزر گئیں۔ اس دوران منافق عبداللہ بن ابی برابر یہودیوں کو پیغامات بھیجتا رہا کہ تم اپنی حویلیوں میں ڈٹے رہو۔ ہم تمہاری مدد کو آ رہے ہیں، لیکن یہودیوں کو اس سے کوئی مدد نہ پہنچی۔ اب تو یہود کا سردار حیی بن اخطب بہت پریشان ہوا... کچھ عقل مند یہودیوں نے اسے عبداللہ ابن ابی کے مشورے پر عمل نہ کرنے کے لیے کہا تھا، لیکن حیی بن اخطب نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔ اب انھوں نے طعنے کے طور پر کہا:

"عبداللہ ابن ابی کی وہ مدد کہاں گئی جس کا اس نے وعدہ کیا تھا... اور جس کی تم آس لگائے بیٹھے تھے؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکا، یہودی اب بہت پریشان ہو چکے تھے، ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، آخر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ

انھیں یہاں سے نکل جانے دیا جائے... وہ ہتھیار ساتھ نہیں لے جائیں گے، البتہ اپنا گھریلو سامان لے جائیں گے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور کرلی، چنانچہ یہودیوں نے اپنے اونٹوں پر اپنی عورتوں اور بچوں کو سوار کرلیا اور اپنا سارا سامان بھی ان پر لادلیا، یہ کل چھ سو اونٹ تھے، ان اونٹوں پر بہت سا سونا چاندی اور قیمتی سامان تھا۔

اس طرح بنی نضیر کے یہ یہودی جلا وطن ہوکر خیبر میں جا بسے، خیبر کے یہودیوں نے انھیں وہاں آباد ہونے میں مدد دی، کچھ لوگ شام کی طرف بھی چلے گئے۔

غزوہ بنو نضیر کے بعد غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر ثانی اور غزوہ دومتہ الجندل پیش آئے... یہ چھوٹے چھوٹے غزوات تھے جو یکے بعد دیگرے پیش آئے۔ پھر غزوہ بنی مصطلق پیش آیا... قبیلہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا، اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا، اس لشکر میں اس کی قوم کے علاوہ دوسرے عرب بھی شامل تھے۔

اس اطلاع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ کی تیاری کی، اسلامی لشکر 2 شعبان 5 ہجری کو روانہ ہوا، ادھر جب حارث بن ابی ضرار اور اس کے ساتھیوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو بہت سے لوگ بدحواس ہوکر حارث کا ساتھ چھوڑ گئے اور ادھر اُدھر بھاگ نکلے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ اس قبیلے پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر مشرکوں پر حملہ کردیا، یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ ان میں سے دس فوراً مارے گئے، باقی گرفتار ہوگئے، ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا...

ان قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برّہ بنت حارث بھی تھیں، مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو برّہ، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی تحویل میں آگئیں، اب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے برّہ سے طے کیا کہ اگر وہ نو اوقیہ سونا دے دیں تو وہ انھیں آزاد کردیں گے۔

یہ سن کر برّہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں:

''اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو چکی ہوں، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمارے ساتھ جو ہوا، اس کو آپ جانتے ہی ہیں، میں قوم کے سردار کی بیٹی ہوں... ایک سردار کی بیٹی اچانک باندی بنالی گئی... ثابت بن قیس نے آزاد ہونے کے لیے میرے ذمہ جو سونا مقرر کیا ہے وہ میری طاقت سے کہیں زیادہ ہے، میری آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا میں تمہیں اس سے بہتر راستہ نہ بتادوں؟''

برّہ بولیں:

''وہ کیا اے اللہ کے رسول۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہاری طرف سے سونا میں دے دیتا ہوں اور میں تم سے نکاح کرلوں۔''

اس پر برّہ بولیں۔

''اے اللہ کے رسول! میں تیار ہوں۔''

چنانچہ آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلوایا، برّہ کو ان سے مانگا، وہ بولے:

''اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! برّہ آپ کی ہوگئی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اتنا سونا ادا کر دیا اور برّہ سے شادی کر لی، اس وقت ان کی عمر 20 سال تھی، ان کا نام برّہ سے جویریہ رکھا گیا، اس طرح وہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہوگئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت خوب صورت خاتون تھیں۔

بعد میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ حارث ان کا فدیہ لے کر حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس فدیے میں بہت سے اونٹ تھے، حارث ابھی راستے میں تھا کہ اس کی نظر ان میں سے دو خوب صورت اونٹوں پر پڑی، اس نے ان دونوں کو وہیں عقیق کی گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی فدیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے کہا:

''یہ فدیہ لے لیں اور میری بیٹی کو رہا کر دیں۔''

اس کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اور وہ دو اونٹ کیا ہوئے جنھیں تم عقیق کی گھاٹی میں چھپا آئے ہو؟''

حارث بن ابی ضرار یہ سنتے ہی پکار اٹھا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں... اس بات کا علم میرے اور اللہ کے سوا کسی کو نہیں... اس سے ثابت ہوا، آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔''

اس طرح وہ مسلمان ہو گئے، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن حارث بھی مسلمان ہو گئے، اس کے بعد بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا، کچھ سے فدیہ لیا گیا، کچھ بغیر فدیے کے چھوڑ دیے گئے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''بنی مصطلق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چڑھائی سے تین دن پہلے میں نے خواب دیکھا کہ یثرب (مدینہ منورہ) سے چاند طلوع ہوا اور چلتے چلتے میری گود میں آ رہا، پھر جب ہم قیدی بنا لیے گئے تو میں نے خواب کے پورا ہونے کی آرزو کی... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرما لیا تو مجھے اس خواب کی تعبیر معلوم ہو گئی۔''

اس غزوہ سے فارغ ہو کے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو ایک بہت دردناک واقعہ پیش آ گیا۔



منافقین کی سازش

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کوچ کا اعلان ہوتے ہی میں قضائے حاجت کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور لشکر سے دور جنگل کی طرف چلی گئی، جب میں فارغ ہوگئی تو واپس لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئی، میرے گلے میں ایک ہار تھا، وہ ہار کہیں ٹوٹ کر گر گیا، مجھے اس کے گرنے کا پتا نہ چلا، جب اس کا خیال آیا تو ہار کی تلاش میں واپس جنگل کی طرف گئی، اس طرح اس ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی، لشکر میں جو لوگ میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھا کرتے تھے، انھوں نے خیال کیا کہ میں ہودج میں موجود ہوں، انھوں نے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، اور انھیں احساس نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں، کیونکہ میں دبلی پتلی اور کم وزن کی تھی... میں کھاتی بھی بہت کم تھی، جسم پر موٹاپے کے آثار نہیں تھے، اس طرح لشکر روانہ ہو گیا۔ (ہودج محمل کو کہتے ہیں، یہ ایک ڈولی نما چیز ہوتی ہے جو اونٹ پر نشست کے طور پر بلند کی جاتی ہے تا کہ عورت پردے میں رہے۔)

ادھر کافی تلاش کے بعد میرا ہار مل گیا اور میں لشکر کی طرف روانہ ہوئی، وہاں پہنچی تو لشکر جا چکا تھا، دور دور تک سناٹا تھا، میں جس جگہ ٹھہری ہوئی تھی، وہیں بیٹھ گئی... میں نے سوچا، جب انھیں میری گم شدگی کا پتا چلے گا تو سیدھے یہیں آئیں گے، بیٹھے بیٹھے مجھے نیند نے آ لیا۔

صفوان سلمی رضی اللہ عنہ کی ذمے داری یہ تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے تا کہ کسی

کا کوئی سامان رہ جائے یا گر جائے تو اس کو اٹھا لیا کریں، اس روز بھی لشکر سے پیچھے تھے، چنانچہ جب یہ اس جگہ پہنچے جہاں قافلہ تھا... تو انھوں نے دور سے مجھے دیکھا اور خیال کیا کہ کوئی آدمی سویا ہوا ہے، نزدیک آئے تو انھوں نے مجھے پہچان لیا، مجھے دیکھتے ہی انھوں نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن'' پڑھا، ان کی آواز سن کر میں جاگ گئی، انھیں دیکھتے ہی میں نے اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈال لی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''صفوان سلمی حیرت زدہ تھے کہ یہ کیا ہوا، لیکن منہ سے انھوں نے ایک لفظ نہ کہا، نہ میں نے ان سے کوئی بات کی، انھوں نے اپنی اونٹنی کو میرے قریب بٹھا دیا، اور صرف اتنا کہا۔

''ماں! سوار ہو جایئے!''

میں نے اونٹ پر سوار ہوتے وقت کہا۔

''حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل۔''

(یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مجھے کافی ہے اور وہی میرا بہترین سہارا ہے) پھر میرے سوار ہونے کے بعد انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور اس کی مہار پکڑ کر آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ لشکر میں پہنچ گئے، لشکر اس وقت نخلِ ظہیرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور وہ دوپہر کا وقت تھا، جب ہم لشکر میں پہنچے تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو بہتان لگانے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا:

''یہ عورت کون ہے جسے صفوان ساتھ لایا ہے؟''

اس کے ساتھی منافق بول اٹھے:

''یہ عائشہ ہیں... صفوان کے ساتھ آئی ہیں۔''

اب یہ لوگ لگے باتیں کرنے... پھر جب لشکر مدینہ منورہ پہنچ گیا تو منافق عبداللہ بن اُبی دشمنی کی بنا پر اور اسلام سے اپنی نفرت کی بنیاد پر اس بات کو شہرت دینے لگا۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

''جب منافق اس واقعہ کا ذکر کرتے تو عبداللہ بن ابی بڑھ چڑھ کر ان کی تائید کرتا تاکہ اس واقعہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ملے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''مدینہ منورہ آکر میں بیمار ہوگئی... میں ایک ماہ تک بیمار رہی، دوسری طرف منافق اس بات کو پھیلاتے رہے، بڑھا چڑھا کر بیان کرتے رہے، اس طرح یہ باتیں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم تک اور میرے ماں باپ تک پہنچیں، جب کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا... البتہ میں محسوس کرتی تھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مجھ سے پہلے کی طرح محبت سے پیش نہیں آتے تھے جیسا کہ پہلے بیماری کے دنوں میں میرا خیال رکھتے تھے۔ (دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھرانے پر منافقین کی الزام تراشی سے سخت غمزدہ تھے اس فکر و رنج کی وجہ سے گھر والوں سے اچھی طرح گھل مل بات کرنے کا موقع بھی نہ ملتا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے میں پریشان رہنے لگی، میری بیماری کم ہوئی تو ام مسطح رضی اللہ عنہا نے مجھے وہ باتیں بتائیں جو لوگوں میں پھیل رہی تھیں، ام مسطح رضی اللہ عنہا نے خود اپنے بیٹے مسطح کو بھی برا بھلا کہا کہ وہ بھی اس بارے میں یہی کچھ کہتا پھرتا ہے... یہ سنتے ہی میرا مرض لوٹ آیا، مجھ پر غشی طاری ہونے لگی، بخار پھر ہوگیا... گھر آئی تو بری طرح بے چین تھی، تمام رات روتے گزری... آنسو رکتے نہیں تھے، نیند آنکھوں سے دور تھی، صبح نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم میرے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا حال ہے؟'' تب میں نے عرض کیا:

''کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر ہو آؤں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی... دراصل میں چاہتی تھی، اس خبر کے بارے میں والدین سے پوچھوں۔ جب میں اپنے ماں باپ کے گھر پہنچی تو میری والدہ (ام رومان رضی اللہ عنہا) مکان کے نچلے حصے میں تھیں... جب کہ والد اوپر والے حصے میں قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تھے، والدہ نے مجھے دیکھا تو پوچھا:

''تم کیسے آئیں؟''

میں نے ان سے پورا قصہ بیان کر دیا... اور اپنی والدہ سے کہا:

''اللہ آپ کو معاف فرمائے، لوگ میرے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں، لیکن آپ نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔''

اس پر میری والدہ نے کہا:

''بیٹی! تم فکر نہ کرو! اپنے آپ کو سنبھالو، دنیا کا تو دستور یہی ہے کہ جب کوئی خوب صورت عورت اپنے خاوند کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو اس سے جلنے والے اس کی عیب جوئی شروع کر دیتے ہیں۔''

یہ سن کر میں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں، کیا میرے ابا جان کو بھی ان باتوں کا علم ہے۔''

انھوں نے جواب دیا: ''ہاں! انھیں بھی معلوم ہے۔''

اب تو مارے رنج کے میرا برا حال ہو گیا، میں رونے لگی، میرے رونے کی آواز والد کے کانوں تک پہنچی تو وہ فوراً نیچے اتر آئے، انھوں نے میری والدہ سے پوچھا: ''اسے کیا ہوا؟''......تو انھوں نے کہا: ''اس کے بارے میں لوگ جو افواہیں پھیلا رہے ہیں، وہ اس کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔''

اب تو والدہ بھی رونے لگیں، والد بھی رونے لگے، اس رات بھی میں روتی رہی، پوری رات سو نہ سکی، میری والدہ بھی رو رہی تھیں، والد بھی رو رہے تھے... ہمارے ساتھ گھر کے دوسرے لوگ بھی رو رہے تھے، ایسے میں ایک انصاری عورت ملنے کے لیے آ گئی... میں نے اسے اندر بلا لیا، ہمیں روتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی، یہاں تک کہ ہمارے گھر میں جو بلی تھی... وہ بھی رو رہی تھی... ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور بیٹھ گئے... جب سے یہ باتیں شروع ہوئی تھی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس بیٹھنا چھوڑ دیا تھا، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ

وسلم میرے پاس بیٹھ گئے، ان باتوں کو ایک ماہ ہو چکا تھا... اس دوران آپ پر وحی بھی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور پھر فرمایا:

''عائشہ! مجھ تک تمہارے بارے میں ایسی باتیں پہنچی ہیں، اگر تم ان تہمتوں سے بری ہو اور پاک ہو تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری براءت فرما دیں گے اور اگر تم اس گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتے ہیں۔''

اس پر میں نے اپنے والد اور والدہ سے عرض کیا:

''جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس کا جواب دیجیے۔''

جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نہیں جانتا، اللہ کے رسول سے کیا کہوں۔''

تب میں نے عرض کیا:

آپ سب نے یہ باتیں سنی ہیں، اب اگر میں کہتی ہوں کہ میں ان الزامات سے بری ہوں اور میرا اللہ جانتا ہے کہ بری ہوں تو کیا آپ اس پر یقین کر لیں گے... لہٰذا میں صبر کروں گی، میں اپنے رنج اور غم کی شکایت اپنے اللہ سے کرتی ہوں۔''

اس کے بعد میں اٹھی اور بستر پر لیٹ گئی، اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں آیات نازل فرمائے گا، جن کی تلاوت کی جایا کرے گی، جن کو مسجدوں میں پڑھا جایا کرے گا... البتہ میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خواب دکھا دیں گے اور مجھے اس الزام سے بری فرما دیں گے... ابھی ہم لوگ اسی حالت میں تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار محسوس ہوئے۔



آسمانی گواہی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو چہرۂ مبارک پر تکلیف کے آثار ظاہر ہوتے تھے، یہ بات محسوس کرتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار دیکھے تو میں نے کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کی، کیونکہ میں بے گناہ تھی، البتہ میرے والدین پر بے تحاشا خوف طاری تھا...''

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے وحی کے آثار ختم ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے، وہ قطرے موتیوں کی طرح نظر آرہے تھے، اس وقت آپ نے جو پہلا جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا:

''عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر سورۂ نور کی یہ آیات نازل فرمائی تھیں:

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے (یعنی تہمت لگائی ہے) اے مسلمانو! وہ تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے، تم اس (طوفان) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو، بلکہ یہ انجام

کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے، ان میں سے ہر شخص نے جتنا کچھ کہا تھا، اسے اسی کے مطابق گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس طوفان میں سب سے زیادہ حصہ لیا (یعنی عبداللہ بن ابی)، اسے (زیادہ) سخت سزا ملے گی۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور زبان سے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ یہ الزام لگانے والے اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو چونکہ قاعدے کے مطابق یہ لوگ چار گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل نہ ہوتا تو جس کام میں تم پڑے تھے، اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔ جب کہ تم اس جھوٹ کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے، جس کی تمہیں کسی دلیل سے قطعاً خبر نہیں تھی اور تم اس کو ہلکی بات (یعنی گناہ واجب نہ کرنے والی) سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔ اور تم نے (جب پہلی بار) اس بات کو سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہمیں زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے نکالیں معاذ اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا، اگر تم ایمان والے ہو۔ اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ جو لوگ (ان آیات کے نزول کے بعد بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں سزا دردناک مقرر ہے اور (اس بات پر سزا کا تعجب مت کرو، کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اے توبہ کرنے والو! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے، (جس نے تمہیں توبہ کی توفیق دی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق، بڑا رحیم ہے (تو تم بھی وعید سے نہ بچتے) (سورہ نور آیات 11 تا 20)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے میں نے ایک [illegible] دیکھا تھا، خواب میں ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا، کیا بات ہے، آپ کیوں غمگین [illegible] نے اسے بتایا کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، میں اس کی وجہ سے غمگین ہوں۔ تب

اس نوجوان نے کہا کہ آپ ان الفاظ میں دعا کریں:

ترجمہ: اے نعمتوں کی تکمیل کرنے والے اور اے غموں کو دور کرنے والے، پریشانیوں کو دور کرنے والے، مصیبتوں کے اندھیروں سے نکالنے والے، فیصلوں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے اور ظالم سے بدلہ لینے والے، اور اے اول اور اے آخر! میری اس پریشانی کو دور فرما دے اور میرے لیے گلوخلاصی کی کوئی راہ نکال دے۔''

دعا سن کر میں نے کہا، بہت اچھا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، میں نے ان الفاظ میں دعا کی، اس کے بعد میرے لیے برأت کے دروازے کھل گئے۔

الزام لگانے والوں میں مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی خبر گیری کرتے تھے، انھوں نے ہی ان کی پرورش کی تھی... لیکن یہ بھی الزام لگانے والوں میں شامل ہو گئے، جب اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری فرما دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور ان سے کہا:

''اللہ کی قسم! آیندہ میں کبھی بھی تم پر اپنا مال خرچ نہیں کروں گا، نہ تمہارے ساتھ کبھی محبت اور شفقت کا برتاؤ کروں گا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: ''اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیاوی) وسعت والے ہیں، وہ قرابت داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں، بلکہ چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

اس آیت کے نزول پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم! میں یقیناً چاہتا ہوں کہ میری مغفرت ہو جائے۔''

پھر وہ مسطح رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ان کا جو وظیفہ بند کر دیا تھا، اس کو پھر سے جاری کر دیا... نہ صرف جاری کر دیا بلکہ دوگنا کر دیا اور کہا: ''آیندہ میں کبھی بھی مسطح کا خرچ بند نہیں کروں گا۔''

انھوں نے اپنی قسم کا کفارہ بھی ادا کیا۔

اسی غزوے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو مرتبہ گم ہوا تھا، پہلی بار جب ہار گم ہوا تو اس کی تلاش کے سلسلے میں سب لوگ رکے رہے، اسی دوران صبح کی نماز کا وقت ہو گیا، اس وقت مسلمان کسی چشمے کے قریب نہیں تھے، اس لیے پانی کی تنگی تھی، جب لوگوں کو تکلیف ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھے سو رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کی منزل کھوٹی کر دی، نہ یہاں لوگوں کے پاس پانی ہے، نہ قریب کوئی چشمہ ہے۔''

یہ کہنے کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیٹی کی کمر پر ٹہوکے بھی مارے، ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے:

''لڑکی! تو سفر میں تکلیف کا سبب بن جاتی ہے، لوگوں کے پاس ذرا سا بھی پانی نہیں ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس موقع پر میں اپنے جسم کو حرکت سے روکے رہی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوتے تھے تو کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار نہیں کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیدار ہوتے تھے، کیونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نیند میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت بیدار ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا تو بتایا گیا کہ پانی نہیں ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی۔

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بیٹی! جیسا کہ تم خود بھی جانتی ہو، تم واقعی مبارک ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

''عائشہ! تمہارا ہار کس قدر مبارک ہے۔''

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے آلِ ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کے ساتھ اگر کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے خیر پیدا فرما دیتے ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہار کی تلاش کے سلسلے میں ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا، جس پر میں سوار تھی، تو ہمیں اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

مطلب یہ کہ اس واقعہ کی وجہ سے مسلمانوں کو تیمّم کی سہولت عطا ہوئی، اس سے پہلے مسلمانوں کو تیمّم کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔

اس واقعہ کے بعد جب آگے سفر ہوا تو منافقین کی سازش کا وہ واقعہ پیش آیا جو آپ نے پیچھے پڑھا۔

اسی سال چاند کو گرہن لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خسوف پڑھائی یعنی چاند گرہن کی نماز پڑھائی، جب کہ یہودی اس وقت زور زور سے ڈھول بجا رہے تھے اور کہ رہے تھے، چاند پر جادو کر دیا گیا ہے۔



غزوہ خندق

بنی نضیر کے یہودیوں کو مدینہ منورہ میں ان کے علاقے سے نکال دیا گیا تھا، اسی وجہ سے ان کے بڑے بڑے سردار مکہ معظمہ گئے... قریش کو ساری تفصیل بتائی اور قریش کو دعوت دی کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے میدان میں آئیں، انھوں نے قریش کو خوب بھڑکایا اور کہا:

"جنگ کی صورت میں ہم تمہارے ساتھ ہوں گے، یہاں تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو نیست و نابود کر دیں گے، مسلمانوں سے دشمنی میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

یہ سن کر مشرکین کے سردار ابوسفیان نے کہا:

"ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ شخص وہ ہے، جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں ہمارا مددگار ہو، لیکن ہم اس وقت تک تم پر بھروسہ نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کر لو... تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔"

یہ سنتے ہی یہودیوں نے بتوں کو سجدہ کر ڈالا، اب قریش نے کہا:

"اے یہودیو! تم اہلِ کتاب ہو اور تمہاری کتاب سب سے پہلی کتاب ہے، اس لیے تمہارا علم بھی سب سے زیادہ ہے، لہٰذا تم بتاؤ... ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کا۔“

یہودیوں نے جواب میں کہا:

”تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے اور حق و صداقت میں تم لوگ ان سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہو۔“

یہودیوں کا جواب سن کر قریش خوش ہو گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو انھوں نے جنگ کا مشورہ دیا تھا، وہ بھی انھوں نے قبول کر لیا... چنانچہ اسی وقت قریش کے پچاس نوجوان نکلے، انھوں نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر یہ حلف دیا کہ وقت پر ایک دوسرے کو دغا نہیں دیں گے، جب تک ان میں سے ایک شخص بھی باقی ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف متحد رہیں گے۔

اب قریش نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، یہودیوں نے بھی اور قبائل کو ساتھ ملانے کی کوششیں جاری رکھیں، اس طرح ایک بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف تیار ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تیاریوں کی اطلاعات موصول ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشورہ کے لیے طلب کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دشمن کی جنگی تیاریوں کے بارے میں بتایا، پھر ان سے مشورہ طلب فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں یا باہر نکل کر کریں۔

اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا:

”اے اللہ کے رسول! اپنے ملک فارس میں جب ہمیں دشمن کا خوف ہوتا تھا تو شہر کے گرد خندق کھود لیا کرتے تھے۔“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ سبھی کو پسند آیا، چنانچہ مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا، سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے خندق کی کھدائی میں حصہ لیا... خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خندق کھودی، خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھوک نے ستایا، وہ زمانہ عام تنگ دستی کا تھا۔

کھدائی کے دوران ایک جگہ سخت پتھریلی زمین آ گئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جگہ کھدائی نہ کر سکے، آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اپنے ہاتھ میں لی اور اس جگہ ماری، ایک ہی ضرب میں وہ پتھریلی زمین ریت کی طرح بھربھرا گئی۔

ضرب لگانے کے دوران روشنی کے جھماکے سے نظر آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بارے میں پوچھا کہ یہ روشنی کے جھماکے کیسے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پہلے جھماکے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن کی فتح کی خبر دی ہے، دوسرے جھماکے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور مغرب پر غلبہ عطا فرمانے کی اطلاع دی اور تیسرے جھماکے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مشرق کی فتح مجھے دکھائی ہے۔''

غرض جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو اس وقت قریش اور اس کے حامیوں کا لشکر مدینہ منورہ کے باہر پہنچ گیا، اس جنگ میں کافروں کی دس ہزار تعداد کے مقابلے میں مسلمان صرف تین ہزار تھے، مشرکوں کا لشکر مدینہ منورہ کے گرد خندق دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، وہ پکار اٹھے:

''خدا کی قسم! یہ تو بڑی زبردست جنگی چال ہے، عرب تو اس جنگی تدبیر سے واقف نہیں تھے۔''

مشرکوں کے دستے بار بار خندق تک آتے رہے اور واپس جاتے رہے... مسلمان بھی اچانک خندق تک آتے اور کافروں کی طرف تیر برساتے، پھر واپس لوٹ جاتے، کافروں میں سے نوفل بن عبداللہ نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کو عبور کرنے کی کوشش کی ... لیکن اس کا گھوڑا خندق کے آر پار نہ پہنچ سکا اور سوار سمیت خندق میں گرا۔ نوفل کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خندق میں اتر کر اسے قتل کر دیا تھا۔

کافروں اور مسلمانوں کے درمیان بس اس قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی... کافر دراصل خندق کی وجہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے قابل نہیں رہے تھے۔

لڑائی سے پہلے عورتوں اور بچوں کو ایک چھوٹے سے قلعہ میں پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ جگہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تھی۔ خود حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی وہیں تھے۔ ان عورتوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی بطور محافظ تھیں۔ ایک یہودی جاسوسی کے لیے سے اس طرف نکل آیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نظر اس یہودی پر پڑی تو انھوں نے حضرت حسّان رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے حسّان! یہ شخص دشمن کو اس قلعہ میں عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی خبر کردے گا... اور دشمن اس طرف سے حملہ آور ہو سکتے ہیں، لہٰذا تم نیچے اتر کر اسے قتل کردو۔"

اس پر حضرت حسّان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تمھیں معلوم ہے، میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔"

حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ دراصل شاعر تھے اور جنگ کے طریقوں سے اقف نہیں تھے... پھر ان کی عمر بھی بہت زیادہ تھی، بوڑھے اور کمزور تھے اس لیے انھوں نے ایسی بات کہی تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ دیکھا کہ حسّان رضی اللہ عنہ یہ کام نہیں کریں گے تو انھوں نے ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھالیا اور نیچے اتر آئیں۔ خاموشی سے اس کے پیچھے گئیں اور اچانک اس پر حملہ آور ہوئیں... انھوں نے ڈنڈے کے کئی وار اس پر کیے، یہاں تک کہ وہ ختم ہوگیا۔ پھر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر ان یہودیوں کی طرف اچھال دیا جو اس کے پیچھے آرہے تھے۔ وہ سب خوفزدہ ہوکر بھاگ نکلے۔

ادھر مشرکوں میں سے چند لوگ آگے بڑھے۔ انھوں نے خندق عبور کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو دور لے جاکر خوب دوڑایا اور جس جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی، اس جگہ سے لمبی چھلانگ لگا کر آخر خندق پار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان لوگوں میں عمرو بن عبدِ وَد

بھی تھا... وہ عرب کا مشہور پہلوان تھا اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت بہادر ہے اور اکیلا ایک ہزار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ خندق عبور کرتے ہی وہ للکارا:

''کون ہے جو میرے مقابلے میں آتا ہے؟''

اس کی للکار سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اس کے مقابلے پر میں جاؤں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیٹھ جاؤ... یہ عمرو بن عبدِ وَد ہے۔''

ادھر عمرو نے پھر آواز دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پھر بٹھا دیا... اس نے تیسری بار پھر مقابلے کے لیے آواز لگائی۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں آئے۔

''جلدی نہ کر، تیری للکار کو قبول کرنے والا تیرے سامنے آگیا ہے۔ جو تجھ سے کسی طرح عاجز اور کمزور نہیں ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار ذوالفقار عطا فرمائی، اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا اور اللہ سے ان کی کامیابی کے لیے دعا کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقابلے سے پہلے اسے اسلام کی دعوت دی اور بولے:

''میں تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔''

اس نے انکار کیا اور کہا:

''بھتیجے! میں تمھیں قتل کرنا نہیں چاہتا... واپس لوٹ جاؤ۔''

جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لیکن میں تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر عمرو بن عبدِ وَد کو غصہ آ گیا۔ وہ اس وقت پوری طرح لوہے میں غرق تھا۔ چہرہ بھی خود میں چھپا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے سے کود پڑا اور تلوار سونت کر ان کی طرف بڑھا۔ اس کی تلوار سے خود کو بچانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ڈھال آگے کر دی۔ عمرو کی تلوار ڈھال پر پڑی، ڈھال پھٹ گئی، تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی تک پہنچ گئی پیشانی پر زخم آ گیا۔



غزوۂ خندق کے واقعات

عُمرُو کے وار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے خون بہہ نکلا مگر انھوں نے فوراً جوابی حملہ کیا، عمرو بن عبدِ وُد کی گردن کے نچلے حصے پر ان کی تلوار لگی، تلوار ہنسلی کی ہڈی کو کاٹتی چلی گئی، وہ خاک وخون میں لوٹتا نظر آیا، مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نعرہ سنا تو جان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو قتل کر دیا ہے، اس کے گرتے ہی جو لوگ اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے، واپس بھاگے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کیا اور بھاگتے ہوئے ایک کافر پر تلوار کا وار کیا، وہ دو ٹکڑے ہو گیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے سر سے ہوتی ہوئی کولہے تک پہنچ گئی، اس پر بعض مسلمانوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے ابا عبداللہ! ہم نے تمہاری تلوار جیسی کاٹ کسی کی نہیں دیکھی... اللہ کی قسم... یہ تلوار کا نہیں... تلوار چلانے والے کا کمال ہے۔''

تمام دن جنگ ہوتی رہی، خندق کے ہر حصے پر لڑائی جاری رہی، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی مسلمان بھی ظہر سے عشاء تک کوئی نماز نہ پڑھ سکا، اس صورتِ حال کی وجہ سے مسلمان بار بار کہتے رہے: ''ہم نماز نہیں پڑھ سکے۔'' یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''نہ ہی میں پڑھ سکا'' آخر جنگ رکنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا انھوں نے ظہر کی تکبیر کہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، اس کے فوراً بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی تکبیر پڑھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی... اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت قضا پڑھی گئیں۔

غرض خندق کی لڑائی مسلسل جاری رہی، ایک روز خالد بن ولید نے مشرکوں کے ایک دستے کے ساتھ حملہ کیا، لیکن اس طرف اس وقت حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو سواروں کے ساتھ موجود تھے، جونہی حضرت خالد بن ولید نے اپنے دستے کے ساتھ خندق پار کی، یہ ان کے سامنے آ گئے، اس طرح حضرت خالد بن ولید ناکام لوٹ گئے۔

اس صورتِ حال نے طول پکڑا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے، آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ دشمن پر ہوا کا طوفان نازل فرمائے گا، طوفان کے ساتھ اللہ اپنے لشکر (فرشتے) بھی ان پر نازل کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خبر دے دی، سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان قبول ہوئی، آخر سرخ آندھی کے طوفان نے مشرکوں کو آ لیا، ان دنوں موسم یوں بھی سرد تھا، اوپر سے انھیں اس سرد طوفان نے گھیر لیا، مشرکوں کے خیمے الٹ گئے، برتن الٹ گئے، ہوا کے شدید تھپیڑوں نے ہر چیز ادھر سے اُدھر کر دی، لوگ سامان کے اوپر اور سامان لوگوں کے اوپر آ گرا، پھر تیز ہوا سے اس قدر ریت اڑی کہ ان میں سے نہ جانے کتنے ریت میں دفن ہو گئے، ریت کی وجہ سے آگ بجھ گئی، چولہے ٹھنڈے ہو گئے، آگ بجھنے سے اندھیرے نے گویا انھیں نگل لیا، یہ اللہ کا عذاب تھا جو فرشتوں نے ان پر نازل کیا، وہ درہم برہم ہو گئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''پھر ہم نے ان پر ایک آندھی اور ایسی فوج بھیجی جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔'' (سورۃ الاحزاب)

جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے خود جنگ میں شرکت نہیں کی، بلکہ اپنی موجودگی سے مشرکوں کے دلوں میں خوف اور رعب پیدا کر دیا اور اس رات جو ہوا چلی تھی، اس کا نام بادِ صبا ہے، یعنی وہ ہوا جو سخت سرد رات میں چلے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بادِ صبا سے میری مدد کی گئی اور ہوائے زرد کے ذریعے اس قوم کو تباہ کیا گیا۔''

ہوائے زرد نے مشرکوں کی آنکھوں میں گرد و غبار بھر دیا اور ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، یہ طوفان بہت دیر تک اور مسلسل جاری رہا تھا، ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں میں پھوٹ پڑنے کے بارے میں پتا چلا، وہ ایسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ کون ہے جو ہمیں دشمنوں کی خبر لا دے، اس پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں جاؤں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا، تینوں مرتبہ زبیر رضی اللہ عنہ ہی بولے، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر نبی کے حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں، میرے حواری زبیر ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ فرمایا... تھکن کی وجہ سے ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ جا سکتے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے تمہاری حفاظت فرمائے اور تم خیریت سے لوٹ کر ہمارے پاس آؤ۔''

یہ وہاں سے چل کر دشمن کے پڑاؤ میں پہنچ گئے، وہاں انھوں نے ابوسفیان کو کہتے سنا:

''اے گروہِ قریش! ہر شخص اپنے ہم نشینوں سے ہوشیار رہے اور جاسوسوں سے پوری

طرح خبردار رہے۔"

پھر اس نے کہا:

"اے قریش! ہم نہایت برے حالات کا شکار ہوگئے ہیں، ہمارے جانور ہلاک ہوگئے ہیں... بنو قریظہ کے یہودیوں نے ہمیں دغا دیا ہے اور ان کی طرف سے ناخوش گوار باتیں سننے میں آئی ہیں... اوپر سے اس طوفانی ہوا نے جو تباہ کاری کی ہے، وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو، اس لیے واپس چلے جاؤ، میں بھی واپس جارہا ہوں۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ خبریں لے کر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے دشمن کا حال سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک نظر آنے لگے... جب کفار کا لشکر مدینہ منورہ سے بدحواس ہوکر بھاگا، تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اب یہ آئندہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے، بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے۔"

خندق کی جنگ کے موقع پر کچھ خاص واقعات پیش آئے۔ جب خندق کھودی جارہی تھی تو اس دوران ایک صحابی بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی ایک پیالے میں کچھ کھجوریں لائی، یہ کھجوریں وہ اپنے باپ اور ماموں کے لیے لائی تھی... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کھجوروں پر پڑی تو فرمایا:

"کھجوریں ادھر لاؤ۔"

اس لڑکی نے کھجوروں کا برتن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں الٹ دیا، کھجوریں اتنی نہیں تھیں کہ دونوں ہاتھ بھر جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ایک کپڑا منگوایا، اس کو پھیلا کر بچھایا، پھر پاس کھڑے صحابی سے فرمایا:

"لوگوں کو آواز دو... دوڑ کر آئیں۔"

چنانچہ سب جلد ہی آگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے کھجوریں اس کپڑے پر

گرانے لگے، سب لوگ اس پر سے اٹھا اٹھا کر کھاتے رہے، کھجوریں شروع کرنے سے پہلے سب لوگ بھوکے تھے، بھوک کی حالت میں ان سب نے یہ کھجوریں کھائیں، سب کے پیٹ بھر گئے... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے کھجوریں ابھی تک گر رہی تھیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا پیش آیا، انھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید بھوک کا علم ہوا تو گھر گئے، ان کے گھر میں بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا اور کچھ گندم بھی تھی، انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک لگی ہے... لہٰذا یہ بکری ذبح کر کے سالن تیار کر لو، گندم کو پیس کر روٹیاں پکا لو، میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آتا ہوں۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کچھ دیر بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آہستہ آواز میں بتایا کہ آپ کے لیے گھر میں کھانا تیار کرایا ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کہا:

''اعلان کر دو... جابر کے ہاں سب کی دعوت ہے۔''

چنانچہ پکار کر اعلان کیا گیا کہ سب لوگ جابر کے گھر پہنچ جائیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے کہ وہ تھوڑا سا کھانا اتنے لوگوں کو کیسے پورا ہوگا۔ انھوں نے پریشانی کے عالم میں ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھی اور پھر گھر آ گئے... وہ کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ برکت دے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی، سب نے کھانا شروع کیا، باری باری لوگ آتے رہے اور کھا کر اٹھتے رہے، ان کی جگہ دوسرے لیتے رہے... یہاں تک کہ سب لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا، اس وقت ان مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

''اللہ کی قسم! جب سب کھانا کھا کر چلے گئے تو ہم نے دیکھا... گھر میں اب بھی اتنا ہی

کھانا موجود تھا... جتنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا تھا۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فارغ ہو کر گھر آئے تو وہ دوپہر کا وقت تھا... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی غسل فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام سیاہ رنگ کا ریشمی عمامہ باندھے وہاں آ گئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خچر پر سوار تھے، انھوں نے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! اتار دیے ہیں۔'' یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

''لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔''



غزوۂ بنی قریظہ

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اسی وقت بنو قریظہ کے مقابلے کے لیے کوچ کریں، میں بھی وہیں جارہا ہوں۔''

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا:

''ہر اطاعت گزار شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے محلے میں پہنچ کر پڑھے۔''

اس اعلان سے مراد یہ تھی کہ روانہ ہونے میں دیر نہ کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فوراً اپنے ہتھیار لگائے، زرہ بکتر پہنی، اپنا نیزہ دستِ مبارک میں لیا، تلوار گلے میں ڈالی... اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ہتھیار لگائے گھوڑوں پر موجود تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تین ہزار تھی، ان میں 36 گھڑ سوار تھے، ان میں بھی تین گھوڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، اس غزوہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم لیے ہوئے بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آگے روانہ ہوئے تھے، اس لیے

پہلے وہاں پہنچے، انھوں نے مہاجرین اور انصار کے ایک دستے کے ساتھ بنو قریظہ کے قلعہ کے سامنے دیوار کے نیچے پرچم نصب کیا، ایسے میں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا شروع کیا، اس پر حضرت علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو غصہ آ گیا، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں یہودیوں کی بدزبانی کے بارے میں بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پوری آبادی کو گھیرے میں لینے کا حکم دے دیا، یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا... یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے، اور آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں باندھنے کا حکم فرمایا... ان کی مشکیں کس دی گئیں، ان کی تعداد چھ سو یا ساڑھے سات سو تھی، انھیں ایک طرف جمع کر دیا گیا... یہ سب وہ تھے جو لڑنے والے تھے، ان کے بعد یہودی عورتوں اور بچوں کو حویلیوں سے نکال کر ایک طرف جمع کیا گیا، ان بچوں اور عورتوں کی تعداد ایک ہزار تھی، ان پر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نگران بنایا گیا... اب یہ لوگ بار بار آپ کے پاس آ کر معافی مانگنے لگے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم اس بات پر رضامند ہو کہ تمہارے معاملے کا فیصلہ تمہارا ہی (منتخب کیا ہوا) کوئی آدمی کر دے۔"

انھوں نے جواب دیا: "سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) جو فیصلہ بھی کر دیں، ہمیں منظور ہے۔"

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے ان یہودیوں کے دوست اور ان کے نزدیک قابل احترام شخصیت تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات مان لی، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہو گئے تھے، وہ اس وقت مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک خیمے میں تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر انھیں بنو قریظہ کی آبادی میں لایا گیا، ان کی حالت بہت خراب تھی... آخر وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ

وسلّم کے پاس پہنچ گئے، انھیں ساری بات بتائی گئی... اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''فیصلے کا حق تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے یا پھر اللہ کے رسول کو ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ ہی نے تمہیں حکم دیا ہے کہ یہود کے بارے میں فیصلہ کرو۔''

اب انھوں نے اپنا فیصلہ سنایا:

''میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کا مال اور دولت مالِ غنیمت کے طور پر لے لیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے۔'' (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے اپنی سابقہ دوستی کی پروانہ کرتے ہوئے اتنا سخت فیصلہ اس لیے سنایا تھا کہ ان یہودیوں کا ظلم وستم اور ان کی فتنہ انگیزی حد سے بڑھ گئی تھی، اگر انھیں یوں ہی زندہ چھوڑ دیا جاتا تو یقینی طور پر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف بدترین سازشیں کرتے رہتے۔ ان کا مزاج بچھو اور سانپ کی مانند ہو چکا تھا جو کبھی ڈسنے سے باز نہیں آ سکتا، اس لیے ان کا سر کچلنا ضروری تھا)۔

ان کا فیصلہ سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''تم نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنایا ہے... اس فیصلے کی شان بہت اونچی ہے... آج صبح سحر کے وقت فرشتے نے آ کر مجھے اس فیصلے کی اطلاع دے دی تھی۔''

اس کے بعد نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ بنو قریظہ کی حویلیوں میں جو کچھ مال اور ہتھیار وغیرہ ہیں، سب ایک جگہ جمع کر دیے جائیں۔''

چنانچہ سب کچھ نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا، اس سارے سامان میں پندرہ سو تلواریں اور تین سو زرہیں تھیں، دو ہزار نیزے تھے، اس کے علاوہ بے شمار دولت تھی، مویشی بھی بے تحاشا تھے، سب چیزوں کے پانچ حصے کیے گئے، ان میں سے چار حصے سب مجاہدین میں تقسیم کیے گئے... یہاں شراب کے بہت سے مٹکے بھی ملے، ان کو توڑ کر شراب کو

بہادیا گیا، اس کے بعد یہودی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا، قتل ہونے والوں میں ان کا سردار حیی بن اخطب بھی تھا۔ بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنالیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں لگنے والے زخموں کے باعث شہید ہوگئے، ان کے جنازے میں فرشتوں نے بھی شرکت کی، انھیں دفن کیا گیا تو قبر سے خوشبو آنے لگی۔

قیدی عورتوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو عورتیں فروخت کی جائیں، اپنے بچوں سے جدا نہ کی جائیں (یعنی جہاں ماں رہے، وہیں اس کے بچے رہیں، جب تک کہ بچہ جوان نہ ہوجائے)، اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو فروخت کرنا چاہے تو اسے اس کے بچے سے جدا نہ کرے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی ہذیل سے ان کی ناپاک حرکت کا انتقام لینے کا ارادہ فرمایا، بنوھذیل نے رجیع کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تھا، یہ لوگ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور درخواست کی تھی کہ ان کے علاقے میں اسلام کی تعلیم کے لیے کچھ حضرات کو بھیج دیا جائے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا، ان لوگوں نے انھیں دھوکے سے شہید کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مظلومانہ شہادت کا بے حد رنج تھا، چنانچہ ان لوگوں کو سزا دینے کا فیصلہ فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم فرمایا... پھر لشکر کو لے کر روانہ ہوئے، بظاہر تو شام کی طرف کوچ کیا تھا مگر اصل مقصد بنو ہذیل کے خلاف کارروائی تھی۔ منزل کو اس لیے خفیہ رکھا گیا تاکہ دشمنوں کو جاسوسوں کے ذریعے پہلے سے معلوم نہ ہو اور مسلمان ان ظالموں پر بے خبری میں جا پڑیں۔

مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قائم مقام حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا، اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کافی تعداد میں صحابہ رضی

اللہ عنہم تھے، ان میں سے بیس گھوڑوں پر سوار تھے۔

پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے، جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی، ادھر کسی طرح بنی ھذیل کو پتا چل گیا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں، وہ ڈر کے مارے پہاڑوں میں جا چھپے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے فرار کا پتا چلا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف سمتوں میں روانہ فرمایا... لیکن ان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔

آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس روانہ ہوئے، اس غزوہ کو غزوہ بنی لحیان کہا جاتا ہے۔

راستے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابواء کے مقام سے گزرے، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو دفن کیا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو اپنی والدہ کی قبر نظر آ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی... پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رو پڑے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے، ابھی چند راتیں ہی گزری تھیں کہ خبر ملی... عیینہ ابن حصین نے کچھ سواروں کے ساتھ مل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ پر چھاپا مارا... اس چراگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً بیس اونٹ تھے... اونٹوں کی حفاظت کے لیے اس وقت چراگاہ میں ایک شخص موجود تھے، وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی وہاں تھیں، ان حملہ آوروں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو قتل کر دیا۔

اس واقعہ کا سب سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو پتا چلا... وہ اپنی کمان اٹھائے صبح ہی صبح چراگاہ کی طرف جا رہے تھے، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، وہ ان کا گھوڑا لے کر آیا تھا اور لگام سے پکڑ کر اسے ہنکا رہا تھا، راستے میں ان کی ملاقات حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام سے ہوئی، اس نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ عیینہ بن حصین نے کچھ سواروں کے ساتھ نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چراگاہ پر چھاپا مارا ہے... اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لے گئے ہیں... چراگاہ کے محافظ کو انھوں نے قتل کر دیا ہے... اور ایک خاتون کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔

یہ سنتے ہی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا:

''اس گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہو جاؤ اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خبر کر دو۔''

غلام تو اسی وقت روانہ ہو گیا، ساتھ ہی سلمہ رضی اللہ عنہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر پکارے:

''لوگو! دوڑو... کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لے اڑے ہیں۔''

یہ اعلان تین بار دہرا کر وہ اکیلے ہی لٹیروں کی طرف دوڑ پڑے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ چیتے کی سی تیزی سے دوڑے، یہاں تک کہ وہ حملہ آوروں تک پہنچ گئے، جونہی انھوں نے حملہ آوروں کو دیکھا، ان پر تیر اندازی شروع کر دی... جب بھی تیر چلاتے، تو پکار کر کہتے:

''لے سنبھال! میں ابن اکوع ہوں، آج کا دن ہلاکت اور بربادی کا دن ہے۔''

جب دشمن اپنے گھوڑے موڑ کر ان کی طرف رخ کرتے تو یہ اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ پہنچ جاتے اور وہاں سے تیر اندازی شروع کر دیتے، یہ مسلسل اسی طرح کرتے رہے، دشمن کے پیچھے لگے رہے، دشمن ان کے تیروں کا شکار ہوتا چلا گیا۔

خود حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں بھاگ کر ان میں سے کسی کے سر پر پہنچ جاتا، اس کے پیر میں تیر مارتا، وہ اس سے زخمی ہو جاتا، لیکن جب ان میں سے کوئی پیچھے مڑتا تو میں کسی درخت کے پیچھے چھپ جاتا اور پھر اس جگہ سے تیر اندازی کر کے حملہ آور کو زخمی کر دیتا، یہاں تک کہ وہ میرے سامنے سے بھاگ جاتا... اور جب دشمن کسی پہاڑی درّے میں پہنچ کر خود کو محفوظ سمجھنے لگتا تو میں پہاڑ کے اوپر پہنچ کر ان پر تیر برسانے لگتا، یا پتھر ان پر گرانے لگتا... میری اس تیر اندازی اور پتھروں کی بارش سے وہ بری طرح تنگ آ گئے، یہاں تک کہ میری تیروں کی

بارش نے انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا، زخمی ہو کر بھاگنے والوں نے تیس سے زیادہ نیزے اور اتنی ہی چادریں راستے میں گرا دیں تا کہ ان کا بوجھ کم ہو اور وہ آسانی سے بھاگ سکیں... وہ جو چیز بھی کہیں پھینکتے، میں اس پر پتھر رکھ دیتا، تا کہ بعد میں ان کو جمع کر سکوں، غرض! میں ان کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ سوائے چند ایک کے وہ تمام اونٹ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے... پیچھے رہ گئے، دشمن آگے نکل گیا اور خود میں بھی ان کے تعاقب میں ان اونٹوں سے آگے نکل آیا... اس طرح میں نے حملہ آوروں سے تمام اونٹ چھڑا لیے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پکار کے بارے میں پتا چلا تو مدینہ منورہ میں اعلان کرا دیا کہ اے اللہ کے سوارو! تیار ہو جاؤ... اور سوار ہو کر چلو۔

اس اعلان کے بعد گھڑ سواروں میں سے جو صحابی سب سے پہلے تیار ہو کر آئے، وہ حضرت مقداد بن عمرؓ و رضی اللہ عنہ تھے، انھیں ابنِ اسود بھی کہا جاتا ہے، ان کے بعد حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آئے، پھر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ آئے، پھر باقی گھڑ سوار صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کا سالار مقرر فرمایا اور حکم فرمایا:

"تم لوگ روانہ ہو جاؤ، میں باقی لوگوں کے ساتھ تم سے آملوں گا۔"

چنانچہ یہ گھڑ سوار دستہ دشمن کی تلاش میں نکلا... اور دشمن کے سر پر پہنچنے میں کامیاب و گیا۔

سواروں میں سب سے پہلے جو شخص دشمن تک پہنچا، ان کا نام محذر بن فضلہ تھا، انھیں اخرم اسدی بھی کہا جاتا ہے، یہ آگے بڑھ کر دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور بولے:

"اے ملعون لوگو! ٹھہر جاؤ، مہاجرین اور انصار تمہارے مقابلے پر نکل پڑے ہیں۔"

اخرم اسدی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے دشمن کے قریب پہنچ گئے ان کی طرف بڑھنے لگے، تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اپنے مورچے سے نکل کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور بولے:

''اے اخرم! ابھی دشمن پر حملہ نہ کریں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو آنے دیں۔''

یہ سن کر اخرم اسدی رضی اللہ عنہ بولے:

''سلمہ! اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو، کہ جنت بھی برحق ہے اور دوزخ بھی برحق ہے، تو میرے اور شہادت کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔''

ان کے الفاظ سن کر سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی، وہ فوراً آگے بڑھے... انھوں نے وار کر کے ایک دشمن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا، اسی وقت ایک اور دشمن نے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کو نیزہ دے مارا... وہ شہید ہو گئے، ایسے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے، ایک دشمن نے ان کے گھوڑ پر وار کیا، گھوڑا زخمی ہو گیا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔

اسی وقت ایک گھڑ سوار ان کے مقابلے پر آیا، اس کا نام مسعدہ فزاری تھا، آتے ہی کہنے لگا:

''تم مجھ سے کس طرح مقابلہ کرنا پسند کرو گے... تلوار بازی، نیزہ بازی یا پھر کشتی؟''

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بولے:

''جو تم پسند کرو۔''

اس پر اس نے کشتی لڑنا پسند کیا، وہ گھوڑے سے اتر آیا، اپنی تلوار درخت سے لٹکا دی، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی گھوڑے سے اتر آئے، انھوں نے بھی تلوار درخت سے لٹکا دی، اب دونوں میں کشتی شروع ہوئی... آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو فتح یاب فرمایا، انھوں نے درخت سے لٹکی تلوار کھینچ لی اور اسے قتل کر دیا، پھر انھوں نے مسعدہ کے بھتیجے پر حملہ کیا، اس نے خوف زدہ ہو کر باقی اونٹوں کو چھوڑ دیا... حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اونٹوں کو لے کر لوٹے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے نظر آئے...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کو ساتھ میں دیکھ کر فرمایا:

''ابوقتادہ تمہارا چہرہ روشن ہو۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی روشن رہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اللہ تم میں، تمہاری اولاد میں اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرمائے۔''

ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظران کی پیشانی پر پڑی... وہاں ایک زخم تھا اور تیر کا پھل زخم ہی میں رہ گیا تھا، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر کا وہ حصہ آہستہ سے نکال دیا، پھر ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اپنی ہتھیلی زخم پر رکھ دی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''قسم ہے، اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا، آپ نے جونہی زخم پر ہاتھ رکھا، تکلیف بالکل غائب ہوگئی۔''

اس کے بعد حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو مسعدہ کا گھوڑا اور اس کے ہتھیار عطا فرمائے اور انھیں دعا دی۔

حضرت ابوقتادہ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا:

''ہمارے سواروں میں بہترین سوار ابوقتادہ ہیں اور ہمارے پیدل مجاہدین میں بہترین پیدل سلمہ ہیں۔''

پھر حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

کچھ دن بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا، یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ امن کی حالت میں مکے میں داخل ہو رہے ہیں، پھر عمرہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے بال منڈوائے ہیں اور کچھ نے بال کتروائے ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بیت اللہ کی چابی لی اور عرفات میں قیام کرنے والوں کے ساتھ قیام کیا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام کو سنایا، سب اس بشارت سے بہت خوش ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

''میرا ارادہ عمرے کا ہے۔''

یہ سننے کے بعد سب نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں، آخر ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ عمرے کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی کرا دیا تھا، تاکہ لوگ اس قافلے کو حاجیوں کا قافلہ ہی خیال کریں اور مکے کے لوگ اور آس پاس کے لوگ جنگ کرنے کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوں، مشرکوں اور دوسرے دشمنوں کو پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے آ رہے ہیں ... کوئی اور نیت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا، پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی... پھر مسجد سے ہی اونٹنی پر سوار ہوئے... اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہیں سے احرام باندھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر پر ذی قعدہ کے مہینے میں روانہ ہوئے تھے، قافلے کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے، ذوالحلیفہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا فرمائی، جانوروں پر جھولیں ڈالیں، تاکہ جان لیا جائے کہ یہ قربانی کے ہیں، ان کے کوہانوں پر نشان لگایا گیا، یہ نشان زخم لگا کر ڈالا جاتا ہے، اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے... چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کے پاس سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔



رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات

سفر کے دوران ایک مقام پر پانی ختم ہوگیا... صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

صحابہ نے بتایا:

''آپ کے پاس اس برتن میں جو پانی ہے، اس پانی کے علاوہ پورے لشکر میں کسی کے پاس اور پانی نہیں ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا، جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک پانی میں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی اس طرح نکلنے لگا جیسے برتن میں چشمے پھوٹ پڑے ہوں، ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے فوارے نکلتے دیکھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک پتھر سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا تھا، لیکن یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہوگیا تھا، علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام والے واقعہ سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے... کیونکہ چشمے پہاڑوں

چٹانوں ہی سے نکلتے ہیں، لہٰذا پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنی عجیب بات نہیں، جتنی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہونا عجیب ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''جونہی پانی کا یہ چشمہ پھوٹا، ہم سب پانی پینے لگے... ہم نے پیا بھی اور اس پانی سے وضو بھی کیا اور اپنے برتن بھی بھرے... اگر ہم اس وقت ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی پانی ہمارے لیے کافی ہو جاتا، جب کہ اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔''

مسلمانوں کا قافلہ ''عسفان'' کے مقام پر پہنچا تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بشر بن سفیان عتکی رضی اللہ عنہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی انھیں جاسوس بنا کر مکّہ کی طرف روانہ کر دیا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اگرچہ صرف عمرے کی تھی، لیکن قریش کے بارے میں اطلاعات رکھنا ضروری تھا۔ بشر رضی اللہ عنہ نے آ کر بتایا:

''اے اللہ کے رسول! قریش کو اطلاعات مل چکی ہیں کہ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں، دیہاتوں میں جو ان کے اطاعت گزار لوگ ہیں، قریش نے ان سے بھی مدد طلب کی ہے، بنی ثقیف بھی ان کی مدد کرنے پر آمادہ ہیں... اور ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں، وہ لوگ مکے سے نکل کر ذی طویٰ کے مقام تک آ گئے ہیں، انھوں نے ایک دوسرے سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے... دوسرے یہ کہ خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) گھڑ سوار دستہ لیے کراع غمیم کے مقام تک آ گئے ہیں، ان کے دستے میں دو سو سوار ہیں، اور وہ آپ کے خلاف صف بندی کر چکے ہیں۔''

یہ اطلاعات ملنے پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مسلمان گھڑ سواروں کے ساتھ آگے بڑھیں، یہ آگے بڑھے اور حضرت خالد بن ولید کے دستے کے سامنے پہنچ گئے، انھوں نے بھی صف بندی کر لی۔

نماز کا وقت ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی، جب مسلمان نماز

سے فارغ ہوئے تو کچھ مشرکوں نے کہا:

''ہم نے ایک اچھا موقع گنوا دیا، ہم اس وقت ان پر حملہ کر سکتے تھے، جب کہ یہ نماز پڑھ رہے تھے، ہم اس وقت آسانی سے انھیں ختم کر سکتے تھے۔''

ایک اور مشرک نے کہا:

''کوئی بات نہیں! ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور نماز ان لوگوں کو اپنی جان سے بھی عزیز ہے، ظاہر ہے، یہ نماز پڑھے بغیر تو رہیں گے نہیں... سو ہم اس وقت ان پر حملہ کریں گے۔''

نمازِ عصر کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ وہ صلوٰۃِ خوف کی آیت لے کر آئے تھے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور آپ انھیں نماز پڑھانا چاہیں تو یوں کرنا چاہیے کہ لشکر کا ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں، پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ آپ کے پیچھے آ جائیں اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی، آ جائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان، ہتھیار وغیرہ لے لیں۔'' (سورۃ النساء)

چنانچہ اس طرح نماز ادا کی گئی... یہ نمازِ خوف تھی، یعنی جب دشمن سے مقابلہ ہو تو آدھا لشکر پیچھے ہٹ کر دو رکعت ادا کر لے اور واپس اپنی جگہ پر آ جائے، باقی جو لوگ رہ گئے ہیں، اب وہ جا کر دو رکعت ادا کریں۔ اس نماز کی ادائیگی کا تفصیلی طریقہ فقہ کی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں نے جب عصر کی نماز اس طرح ادا کی تو مشرک بول اٹھے:

''افسوس! ہم نے ان کے خلاف جو سوچا تھا، اس پر عمل نہ کر سکے۔''

ادھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریشِ مکہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت

سے روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں مشورہ کیا اور ان سے فرمایا:

''لوگو! مجھے مشورہ دو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کا فیصلہ کر لیں اور جو بھی ہمیں اس سے روکے، اس سے جنگ کریں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ صرف بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ فرما کر نکلے ہیں، آپ کا مقصد جنگ اور خوں ریزی ہرگز نہیں، اس لیے آپ اسی ارادے کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں، اگر کوئی ہمیں اس زیارت سے روکے گا تو اس سے جنگ کریں گے۔''

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں... ہم تو آپ سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں، ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ کریں گے، اور اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں لے کر ''برکِ غماد'' بھی جانا چاہیں تو ہم آپ کے ساتھ ہوں گے، ہم میں سے ایک شخص بھی پس وپیش نہیں کرے گا۔'' (برکِ غماد مدینہ منورہ سے بہت دور دراز کے ایک مقام کا نام تھا)۔

ان دونوں حضرات کی رائے سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بس تو پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔''

چنانچہ مسلمان آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی، لوگوں نے اسے اٹھانا چاہا، لیکن وہ نہ اٹھی، لوگوں نے کہا:

''قصویٰ اڑ گئی ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

''یہ اڑی نہیں اور نہ اڑنے کی اس کی عادت ہے، بلکہ اسے اس ذات نے روک لیا ہے، جس نے ابرہہ کے لشکر کو مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔''

مطلب یہ تھا کہ قصویٰ خود نہیں رکی، اللہ کے حکم سے رکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر قیام کا حکم فرمایا، اس پر صحابہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہاں پانی نہیں ہے۔''

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے جانوروں کے نگران تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہ تیر کسی گڑھے میں گاڑ دو۔ تیر ایک ایسے گڑھے میں گاڑ دیا گیا جس میں تھوڑا سا پانی موجود تھا۔ فوراً ہی اس میں سے میٹھے پانی کا چشمہ ابلنے لگا، یہاں تک کہ تمام لوگوں نے پانی پی لیا، جانوروں کو بھی پانی پلایا، پھر سب جانور اسی گڑھے کے گرد بیٹھ گئے۔

جب تک تیر اس گڑھے میں لگا رہا، اس میں سے پانی ابلتا رہا...

گڑھے سے پانی ابلنے کی خبریں قریش تک بھی پہنچ گئیں... ابوسفیان نے لوگوں سے کہا:

''ہم نے سنا ہے، حدیبیہ کے مقام پر کوئی گڑھا ظاہر ہوا ہے، اس میں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ہے، ذرا ہمیں بھی تو دکھاؤ، محمد نے یہ کیا کرشمہ دکھایا ہے۔''

چنانچہ انھوں نے وہاں جا کر اس گڑھے کو دیکھا... گڑھے میں لگے تیر کی جڑ سے پانی نکل رہا تھا، یہ دیکھ کر ابوسفیان اور ان کے ساتھی کہنے لگے۔

''اس جیسا واقعہ تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا، یہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا چھوٹا سا جادو ہے۔''



صلحِ حدیبیہ

حدیبیہ پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تاکہ بات چیت ہو سکے... کفار پر واضح ہو جائے کہ مسلمان لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے... بلکہ عمرہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں... اس غرض کے لیے دو یا تین قاصد بھیجے گئے، لیکن بات نہ بن سکی... آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھیں یہ حکم دیا کہ وہ مکہ میں ان مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس بھی جائیں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ انھیں فتح کی خوش خبری سنائیں اور یہ خبر دیں کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنے دین کو سر بلند فرمائیں گے، یہاں تک کہ وہاں کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابان بن سعید کی پناہ لی جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ ابان بن سعید نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پناہ منظور کر لی، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے کر لیا... خود ان کے پیچھے چلے تاکہ لوگ جان لیں، یہ ان کی پناہ میں ہیں... اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ قریشِ مکہ تک پہنچے۔ انھیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

جواب میں قریش نے کہا:

''محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہماری مرضی کے خلاف کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے... ہاں تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کرلو۔''

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بغیر طواف کرلوں۔''

قریش نے بات چیت کے سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تین دن تک روکے رکھا، ایسے میں کسی نے یہ خبر اڑادی کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا ہے... اس پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غمزدہ ہو کر ارشاد فرمایا:

''اب ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے، جب تک دشمن سے جنگ نہیں کرلیں گے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں سے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار پکار کر بیعت کا اعلان کیا، اس اعلان پر سب لوگ بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی:

''کسی حالت میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ فتح حاصل کریں گے یا شہید ہو جائیں گے۔''

مطلب یہ کہ یہ بیعت موت پر بیعت تھی، اس بیعت کی خاص بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت کی... اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا:

''اے اللہ! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے، کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں، اس لیے ان کی طرف سے میں خود بیعت کرتا ہوں۔''

پھر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باری باری بیعت کی۔ بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا... وہ زندہ سلامت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مغفرت کر دی، جو غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے۔''

اس بیعت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان الفاظ میں کیا:

''اے پیغمبر! جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور جو سچائی اور خلوص ان کے دلوں میں تھا، اس نے وہ معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔ (سورۃ الفتح: آیت 10)

ادھر قریش کو جب موت کی اس بیعت کا پتا چلا تو وہ خوف زدہ ہو گئے، ان کے عقل مند لوگوں نے مشورہ دیا کہ صلح کر لینا مناسب ہوگا... اور صلح اس شرط پر کر لی جائے کہ مسلمان اس سال تو واپس لوٹ جائیں، آئندہ سال آ جائیں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہر کر عمرہ کر لیں۔ جب یہ مشورہ طے پا گیا تو انھوں نے بات چیت کے لیے سہیل بن عمرو کو بھیجا، اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سہیل آپ کے سامنے پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، بات چیت شروع ہوئی، سہیل نے بہت لمبی بات کی، آخر صلح کی بات چیت طے ہو گئی۔ دونوں فریق اس بات پر راضی تھے کہ خوں ریزی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ صلح کر لی جائے، صلح کی بعض شرائط بظاہر بہت سخت تھیں۔

اس معاہدے میں یہ شرائط لکھی گئیں۔

1۔ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔

2۔ جو مسلمان اپنے ولی اور سرپرست کی اجازت کے بغیر مکہ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا، اللہ کے رسول اسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

(یہ شرط ظاہر میں مسلمانوں کے لیے بہت سخت تھی، لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ یہ شرط بھی دراصل مسلمانوں کے حق میں تھی، کیونکہ اس طرح بیت اللہ مسلمانوں سے آباد رہا اور دین کا کام جاری رہا۔)

3۔کوئی شخص جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھی رہا ہو اور وہ بھاگ کر قریش کے پاس آجائے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

4۔کوئی شخص، یا کوئی خاندان یا کوئی قبیلہ اگر مسلمانوں کا حلیف (معاہدہ بردار) بننا چاہے تو بن سکتا ہے اور جو شخص یا خاندان یا قبیلہ قریش کا حلیف بننا چاہے تو وہ ان کا حلیف بن سکتا ہے۔

5۔مسلمانوں کو اس سال عمرہ کیے بغیر واپس جانا ہوگا، البتہ آئندہ سال تین دن کے لیے قریش مکہ کو خالی کر دیں گے، لہٰذا مسلمان یہاں غیر مسلح حالت میں آ کر ٹھہر سکتے ہیں اور عمرہ کر سکتے ہیں۔

یہ شرائط بظاہر قریش کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف تھیں، اس لیے صحابہ کرام کو ناگوار بھی گزریں، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ناگواری محسوس کی، وہ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے:

''ابوبکر! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟''

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر فاروقِ اعظم بولے:

''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بالکل! ہم مسلمان ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟"

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

"ہاں! بے شک وہ مشرک ہیں۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تب پھر ہم ایسی شرائط کیوں قبول کریں... جن سے مسلمان نیچے ہوتے ہیں۔"

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت ہی خوب جواب دیا، فرمایا:

"اے عمر! وہ اللہ کے رسول ہیں... ان کے احکامات اور فیصلوں پر سر جھکاؤ، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی قسم کے سوالات کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کے جواب میں جو الفاظ فرمائے، وہ بالکل وہی تھے، جو حضرت ابوبکر صدیق فرما چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، میں کسی حالت میں بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، وہی میرا مددگار ہے۔"

اسی وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"اے عمر! جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، کیا تم اس کو سن نہیں رہے ہو؟ ہم شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔"

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بولے:

"میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''اے عمر! میں تو ان شرائط پر راضی ہوں اور تم انکار کر رہے ہو۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، میں نے اس وقت جو باتیں کی تھیں، اگرچہ وہ اس تمنا میں تھیں کہ اس معاملے میں خیر اور بہتری ظاہر ہو، مگر اپنی اس وقت کی گفتگو کے خوف سے میں اس کے بعد ہمیشہ روزے رکھتا رہا، صدقات دیتا رہا، نمازیں پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔

پھر اس صلح کی تحریر لکھی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس بن خولہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ معاہدہ لکھیں، اس پر سہیل بن عمرو نے کہا:

''یہ معاہدہ علی لکھیں گے یا پھر عثمان۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم فرمایا اور فرمایا لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔''

اس پر سہیل بن عمرو نے پھر اعتراض کیا:

''میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں مانتا... آپ یوں لکھوائیں ''باسمک اللّٰھمّ'' (یعنی شروع کرتا ہوں، اے اللہ تیرے نام سے)'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اسی طرح لکھ دو۔''

انھوں نے لکھ دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لکھو! محمد رسول اللہ نے ان شرائط پر سہیل بن عمرو سے صلح کی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے لگے، لیکن سہیل بن عمرو نے پھر اعتراض کیا:

''اگر میں یہ شہادت دے چکا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو پھر نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکا جاتا، نہ آپ سے جنگ ہوتی، اس لیے یوں لکھیے:

محمد ابنِ عبداللہ۔''



فتحِ مبین

اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ عبارت لکھ چکے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اس کو مٹا دو۔ (یعنی لفظ رسول اللہ کو مٹا دو)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

''میں تو کبھی نہیں مٹا سکتا۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''مجھے دکھاؤ... یہ لفظ کس جگہ لکھا ہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے اسے مٹا دیا: اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم فرمایا، لکھو:

''یہ وہ سمجھوتا ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی۔''

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، چاہے تم مجھے جھٹلاتے رہو اور میں ہی محمد ابن عبداللہ ہوں۔''

یہ معاہدہ ابھی لکھا جارہا تھا کہ اچانک ایک مسلمان حضرت ابوجندل ابن سہیل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیوں کو کھینچتے وہاں تک آپہنچے۔ مشرکوں نے انھیں قید میں ڈال رکھا تھا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ اسلام کیوں قبول کیا... اسلام چھوڑ دو یا پھر قید میں رہو... یہ ابوجندل رضی اللہ عنہ اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جو معاہدہ طے کر رہا تھا۔ یہ کسی طرح قید سے نکل کر وہاں تک آ گئے تھے تاکہ اس ظلم سے نجات مل جائے۔

انھیں دیکھ کر سب مسلمان خوش ہو گئے اور جان بچا کر نکل آنے پر انھیں مبارک باد دینے لگے۔ ادھر جونہی سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو یک دم کھڑا ہوا، اور ایک زناٹے دار تھپڑ ان کے منہ پر دے مارا۔ یہ بھی روایت آئی ہے کہ اس نے انھیں چھڑی سے مارا پیٹا۔

مسلمان ان کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے، اب سہیل نے انھیں گریبان سے پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بولا:

''اے محمد! یہ پہلا مسلمان ہے جو ہم لوگوں کے پاس سے یہاں آ گیا ہے، اس معاہدے کے تحت آپ اسے واپس کریں، کیونکہ یہ معاہدہ لکھا جا چکا ہے۔''

اس کی بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ٹھیک ہے، لے جاؤ۔''

اس پر ابوجندل رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر بولے:

''کیا آپ مجھے پھر ان مشرکوں کے ساتھ واپس بھیج دیں گے؟''

اسلام لانے کی وجہ سے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ پر بہت ظلم ڈھائے گئے تھے۔ لہٰذا اس صورتِ حال پر سب لوگ بری طرح بے چین ہو گئے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تم جیسے اور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور سہولت پیدا فرمانے والا ہے، ہم قریش سے ایک معاہدہ کر چکے ہیں۔ اس معاہدے کی رُو سے ہم تمہیں واپس بھیجنے کے پابند ہیں۔ ہم نے انھیں اللہ کے نام پر عہد دیا

ہے، لہٰذا اس کی خلاف ورزی ہم نہیں کریں گے۔''

مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... وہ بے تاب ہو گئے... حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص بھی رو پڑے... لیکن معاہدے کی وجہ سے سب مجبور تھے۔ اس طرح ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا گیا۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کا اصل نام عاص تھا۔ ابو جندل ان کی کنیت تھی۔ ان کے ایک بھائی عبداللہ بن سہیل تھے جو کہ ان سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اس طرح مسلمان ہوئے تھے کہ مشرکوں کے ساتھ بدر کے میدان میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے تھے... لیکن بدر کے میدان میں آتے ہی یہ کافروں کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو گئے تھے۔

اس معاہدے کے بعد بنو خزاعہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوست قبیلے کی حیثیت سے شامل ہو گئے، یعنی مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

معاہدہ لکھا جا چکا تو دونوں کی طرف سے اہم لوگوں نے اس پر بطور گواہ دستخط کیے۔ معاہدے سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈوانے اور قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈوایا اور قربانی کی، پھر تمام مسلمانوں نے بھی ایسا کیا۔

پھر جب مسلمان اس مقام سے واپس روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں یہ خوش خبری سنائی کہ بے شک آپ کو ایک کھلی فتح دے دی گئی ہے اور اللہ کی نعمت آپ پر تمام ہونے والی ہے۔

سفر کے دوران ایک مقام پر خوراک ختم ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھانے کا حکم فرمایا۔ پھر حکم فرمایا کہ جس کے پاس جو بچا کچا کھانا ہو، اس چادر پر ڈال دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، پھر سب کو حکم دیا، اس چادر سے اپنے اپنے برتن بھر لیں، چنانچہ سب نے برتن بھر لیے، خوب سیر ہو کر کھایا، لیکن کھانا جوں کا توں بچا رہا۔ اس

موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا:

"اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ." اللہ کی قسم ان دو گواہیوں کے ساتھ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا، دوزخ سے محفوظ رہے گا۔"

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ فتح نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ کو یہ فتح مبارک ہو۔"

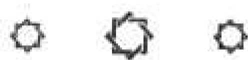
اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑی مسلمانوں کو کوئی فتح نہیں ہوئی..."

یعنی یہ اس قدر بڑی فتح تھی... جب کہ لوگ اس کی حقیقت کو اس وقت بالکل نہیں سمجھ سکے تھے جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔

سہیل بن عمرو جنھوں نے یہ معاہدہ لکھا تھا... بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر انھیں اس جگہ پر کھڑے دیکھا گیا تھا جہاں قربانیاں کی جاتی ہیں۔ وہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قربانی کے جانور پیش کر رہے تھے اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے دست مبارک سے انھیں ذبح کر رہے تھے۔ اس کے بعد سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈانے کے لیے حجام کو بلایا۔ اس وقت یہ منظر دیکھا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بال بھی گرتا تھا، سہیل بن عمرو اسے اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے۔ اندازہ لگایئے کہ ان میں کس قدر زبردست تبدیلی آچکی تھی... صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ رسول اللہ کا لفظ لکھے جانے پر طیش میں آگئے تھے اور اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو آنکھوں سے لگا رہے تھے۔

اسی سال چھ ہجری میں شراب حرام ہوئی۔ حکم آنے پر لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیے اور شراب بارش کے پانی کی طرح نالیوں میں بہتی نظر آئی۔



خیبر کی فتح

خیبر ایک بڑا قصبہ تھا۔ اس میں یہودیوں کی بڑی بڑی حویلیاں، کھیت اور باغات تھے، یہ یہودی مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ سے خیبر کا فاصلہ تقریباً 150 کلومیٹر کا ہے۔ حدیبیہ سے تشریف لانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک یا اس سے کچھ کم مدت تک یعنی ذی الحجہ 6ھ کے آخر تک مدینہ ہی میں رہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے صرف ان لوگوں کو چلنے کا حکم فرمایا جو حدیبیہ میں بھی ساتھ تھے۔ جو لوگ حدیبیہ کے سفر میں نہیں گئے تھے، انھوں نے بھی چلنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے ساتھ چلنا ہے تو صرف جہاد کے ارادے سے چلو، مالِ غنیمت میں سے تمھیں کچھ نہیں ملے گا۔''

مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس غزوے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے سامنے پہنچے تو یہ صبح کا وقت تھا۔ حضرت

عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے پیچھے تھا۔ ایسے میں میں نے "لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم" پڑھا۔ میرے منہ سے یہ کلمہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے عبداللہ! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ یہی کلمہ ہے جو تم نے پڑھا ہے، یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔"

خیبر کے لوگوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو دیکھا تو چیختے چلاتے میدانوں اور کھلی جگہوں میں نکل آئے اور پکار اٹھے:

"محمد! ایک زبردست لشکر لے کر آ گئے ہیں۔"

یہودیوں کی تعداد وہاں تقریباً دس ہزار تھی اور وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مسلمان ان سے مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ جب مسلمان جنگ کی تیاری کر رہے تھے تو اس وقت بھی حیران ہو ہو کر کہہ رہے تھے:

"حیرت ہے... کمال ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ان قلعوں میں سے سب سے پہلے ایک قلعہ نطات کی طرف توجہ فرمائی اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد بھی بنوائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنے دن خیبر میں رہے، اسی مسجد میں نماز ادا فرماتے رہے۔ اس جنگ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور گھوڑے پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام ظرب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال بھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی

کو پرچم دیا۔ وہ پرچم اٹھائے آگے بڑھے، انھوں نے زبردست جنگ کی، لیکن ناکام لوٹ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم ایک دوسرے صحابی کو دیا، وہ بھی ناکام لوٹ آئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قلعہ کی دیوار کے نیچے تک پہنچ گئے، لیکن اوپر سے مرحب نامی یہودی نے ان کے سر پر ایک پتھر دے مارا اور وہ شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ قلعہ کی دیوار کے قریب انھوں نے بہت سخت جنگ کی تھی، جب بالکل تھک گئے تو اس قلعہ کی دیوار کے سائے میں دم لینے لگے۔ اسی وقت اوپر سے مرحب نے پتھر گرایا تھا۔

قلعہ نطات کے لوگ سات دن تک برابر جنگ کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جنگ کے لیے نکلتے رہے۔ پڑاؤ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نگران بناتے۔ شام کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ واپس آجاتے۔ زخمی مسلمان بھی وہیں پہنچا دیے جاتے۔ رات کے وقت ایک دستہ لشکر کی نگرانی کرتا، باقی لشکر سو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نگرانی کرنے والے دستے کے ساتھ گشت کے لیے نکلتے۔ کئی روز تک جب قلعہ فتح نہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آج میں پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ پیٹھ دکھانے والا نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائیں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کے قاتل پر قابو عطا فرمائے گا۔''

صحابہ کرام نے جب یہ اعلان سنا تو ہر ایک نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرچم اسے دیں، مگر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی، چنانچہ لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ان کی تو آنکھیں دکھنے آئی ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر

فرمایا کہ کوئی انھیں میرے پاس لے آئے۔ تب حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ گئے اور انھیں لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور پھر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا، لعاب کا آنکھوں میں لگنا تھا کہ وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اس کے بعد زندگی بھر میری آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم کو لہراتے ہوئے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے، پھر قلعہ کے نیچے پہنچ کر انھوں نے جھنڈے کو نصب کر دیا، قلعہ کے اوپر بیٹھے ہوئے ایک یہودی نے انھیں دیکھ کر پوچھا:

''تم کون ہو؟''

جواب میں انھوں نے فرمایا:

''میں علی ابن ابی طالب ہوں۔''

اس پر اس یہودی نے کہا:

''تم لوگوں نے بہت سر اٹھایا ہے، حالانکہ حق وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔''

پھر یہودی قلعہ سے نکل کر ان کی طرف بڑھے۔ ان میں سب سے آگے حرث تھا۔ وہ مرحب کا بھائی تھا۔ یہ شخص اپنی بہادری کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ اس نے نزدیک آتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا وار روکا اور جوابی حملہ کیا، اس طرح دونوں کے درمیان تلوار چلتی رہی۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے خون میں نہلا دیا... اس کے گرتے ہی مرحب آگے آیا۔ یہ اپنے بھائی سے زیادہ بہادر اور جنگ جو تھا۔ آتے ہی اس نے زبردست حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا... حملہ اس قدر سخت تھا کہ ڈھال ان کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری۔ مرحب اس وقت دو زرہیں پہنے ہوئے تھا، دو تلواریں لگا رکھی تھیں اور عمامے بھی دو ہی پہن رکھے تھے۔ ان کے اوپر خود پہن رکھا تھا۔ دیکھنے کے لیے خود میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ کر رکھے تھے، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، اس میں تین پھل لگے تھے۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کیا اور ان کی تلوار اسے کاٹتی چلی گئی۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر آگے آیا۔ وہ آگے آ کر للکارا:

''کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے گا؟''

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے آگے آئے اور اسے ٹھکانے لگا دیا۔

خیبر کی جنگ ہو رہی تھی کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا نام اسود راعی تھا اور وہ یہودی تھا۔ ایک شخص کا غلام تھا، اس کی بکریاں چراتا ہوا اس طرف آ گیا تھا، اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔''

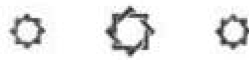
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر طور پر اسلام کی خوبیاں بیان فرمائیں اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد یہ اسود راعی رضی اللہ عنہ تلوار لے کر مسلمانوں کے ساتھ قلعہ کی طرف بڑھے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جب ان کی لاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے...''

اسود رضی اللہ عنہ کس قدر خوش قسمت تھے، نہ کوئی نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا... نہ حج کیا... لیکن پھر بھی جنت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آخر یہ قلعہ فتح ہوگیا۔ اس قلعہ کے محاصرے کے دوران مسلمانوں کو کھانے کی تنگی ہوگئی۔ وہ بھوک سے بے حال ہونے لگے، لوگوں نے اس تنگی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! ان قلعوں میں سے اکثر قلعوں کو اس حال میں فتح کرا کہ ان میں رزق اور گھی کی بہتات ہو۔"



خیبر کے قلعے

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب ابن منذر رضی اللہ عنہ کو پرچم عنایت فرمایا اور لوگوں کو جنگ کے لیے جوش دلایا۔ ناعم نامی قلعہ میں سے جو لوگ یہودیوں میں سے جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے، وہ وہاں سے صعب نامی قلعہ میں پہنچ گئے، یہ قطات کے قلعوں میں سے ایک تھا، اس قلعہ کا محاصرہ دو دن تک جاری رہا۔ قلعہ میں یہودیوں کے پانچ سو جانباز تھے، محاصرے کے بعد اس میں سے ایک جنگ جُو نکل کر میدان میں آیا اور مقابلے کے لیے للکارا، اس جنگ جُو کا نام یوشع تھا، اس کے مقابلے کے لیے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ گئے اور اسے پہلے ہی وار میں قتل کرنے میں کامیاب رہے، اس کے بعد دوسرا یہودی نکلا، اس نے بھی مقابلے کے لیے للکارا، اس کا نام دیال تھا، اس کے مقابلے کے لیے حضرت عمارہ بن عقبہ غفاری رضی اللہ عنہ نکلے، انھوں نے ایک دم دیال کی کھوپڑی پر وار کر دیا اور بولے:

''لے سنبھال، میں ایک غفاری ہوں؟''

دیال پہلے ہی وار میں ڈھیر ہو گیا۔ اب یہودیوں نے زبردست حملہ کیا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا اور وہ ادھر اُدھر بکھرتے چلے گئے، یہودی آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس

وقت گھوڑے سے اتر کر نیچے کھڑے تھے، اس حالت میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ پوری طرح ثابت قدم رہے اور جم کر لڑتے رہے، رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو پکارا اور جوش دلایا تو وہ پلٹ کر یہودیوں پر حملہ آور ہوئے، انھوں نے یہودیوں پر ایک بھر پور حملہ کیا، حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے دشمن پر زبردست یلغار کی، یہودی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور تیزی سے پسپا ہوئے، یہاں تک کہ اپنی حویلیوں تک پہنچ گئے، اندر گھستے ہی انھوں نے دروازے بند کر لیے۔ اب مسلمانوں نے یلغار کی اور یہودیوں کو قتل کرنے لگے، ساتھ میں انھیں گرفتار کرنے لگے، آخر قلعہ فتح ہو گیا۔
اس قلعہ میں مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر گیہوں، کھجوریں، گھی، شہد، شکر، زیتون کا تیل اور چربی ہاتھ آئی، یہاں سے مسلمانوں کو بہت سا جنگی سامان بھی ہاتھ لگا۔ اس میں منجنیق، زرہیں، تلواریں وغیرہ شامل تھیں۔ اس قلعہ سے جو یہودی جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے، انھوں نے قلّہ نامی قلعہ میں پناہ لی، یہ قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا، مسلمانوں نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا، ابھی محاصرے کو تین دن گزرے تھے کہ ایک یہودی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور بولا:

''اے ابوالقاسم! آپ اگر میری جان بخشی کر دیں تو میں آپ کو ایسی اہم خبریں دوں گا کہ آپ اطمینان سے قلعہ فتح کر لیں گے... ورنہ آپ اگر اس قلعہ کا ایک مہینے تک محاصرہ کیے رہے تو بھی اس کو فتح نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اس قلعہ میں زمین دوز نہریں ہیں، وہ لوگ رات کو نکل کر نہروں میں سے ضرورت کا پانی لے لیتے ہیں، اب اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ لوگ آسانی سے شکست مان لیں گے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دے دی، اس کے بعد اس کے ساتھ ان نہروں پر تشریف لے گئے اور یہودیوں کا پانی بند کر دیا، اب یہودی قلعہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے، خوں ریز جنگ ہوئی اور آخر کار یہودی شکست کھا گئے، اس طرح مسلمانوں نے فطات کے تینوں حصے فتح کر لیے۔ اب وہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے، اس میں بھی

کئی قلعہ تھے، مسلمان سب سے پہلے قلعہ ابیؑ کی طرف بڑھے، یہاں زبردست جنگ ہوئی، سب سے پہلے یہودیوں میں سے ایک جنگ جو باہر نکلا، اس کا نام غزوال تھا، اس نے مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی، اس کی للکار پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آگے آئے، انھوں نے نزدیک پہنچتے ہی غزوال پر حملہ کردیا، پہلے ہی وار میں اس کا دایاں ہاتھ کلائی پر سے کٹ گیا... وہ زخمی ہو کر واپس بھاگا، حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا... اور بھاگتے بھاگتے دوسرا وار کیا، یہ وار غزوال کی ایڑی پر لگا، زخم کھا کر وہ گرا، اسی وقت حباب رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کردیا۔

اس وقت ایک اور یہودی مقابلے کے لیے نکلا، اس کے مقابلے میں ایک اور مسلمان آئے، لیکن وہ اس کے ہاتھوں شہید ہوگئے، یہودی اپنی جگہ کھڑا رہا، اس مرتبہ اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں میں سے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نکلے اور نزدیک پہنچتے ہی اس پر حملہ آور ہوئے، پہلے وار میں انھوں نے اس کا پاؤں کاٹ ڈالا اور دوسرے وار میں اس کا کام تمام کردیا۔

پھر کسی یہودی نے میدان میں آکر مسلمانوں کو نہ للکارا، اس پر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعہ پر حملہ کردیا، مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے، ان میں سب سے آگے ابودجانہ رضی اللہ عنہ تھے، اس قلعہ سے بھی مسلمانوں کو بہت مال ہاتھ لگا، مویشی اور کھانے پینے کا سامان بھی ملا۔ قلعہ میں جو لوگ تھے، وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے شق کے دوسرے قلعہ میں پناہ لی، اس کا نام قلعہ بری تھا۔ شق کے دو ہی قلعہ تھے، ایک ابیؑ اور دوسرا بری قلعہ۔ بری میں یہودیوں نے بہت زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر بہت سخت تیراندازی کی، پتھر بھی برسائے، بعض تیر تو اس جگہ آکر گرے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھائی اور اس کو قلعہ کی طرف پھینک دیا، ان کے پھینکنے سے یہ قلعہ لرز اٹھے، یہودی بھاگ نکلے، یہاں سے بھی مسلمانوں کو مالِ غنیمت ہاتھ آیا، یہودیوں کے

برتن بھی ہاتھ لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کو دھو کر استعمال میں لاؤ۔

اس طرح فطات اور شق کے پانچ قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ ان جگہوں سے بھاگنے والے یہودیوں نے کتیبہ کے قلعوں میں پناہ لی، کتیبہ کے بھی تین قلعہ تھے، ان میں سب سے پہلے قلعہ کا نام غوص تھا، دوسرے کا وطیح اور تیسرے کا نام سلالم تھا، ان تمام تر قلعوں میں غوص کا قلعہ سب سے بڑا اور مضبوط تھا۔ مسلمان بیس دن تک اس کا محاصرہ کیے رہے، آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ کو بھی فتح کرا دیا، اسی قلعہ سے حضرت صفیہ بنتِ حیَی بن اخطب گرفتار ہوئیں، بعد میں اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اعزاز عطا فرمایا کہ مسلمان ہوئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں شامل ہوئیں۔

قموص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کا محاصرہ کرلیا، دونوں کا محاصرہ چودہ دن تک رہا مگر دونوں میں سے کوئی شخص باہر نہ نکلا، چودہ دن بعد انھوں نے صلح کی درخواست کی، اس شرط پر صلح ہوگئی کہ یہودی اپنے بیوی بچوں کو لے کر وہاں سے نکل جائیں گے اور بدن کے کپڑوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں لے جائیں گے، اس طرح یہ دونوں قلعہ بغیر خون ریزی کے فتح ہوئے، مسلمانوں کے ہاتھ ایک بڑا خزانہ بھی لگا۔

خیبر ہی میں آپ کی خدمت میں اشعری اور دوسی قبیلے کے لوگ حاضر ہوئے، اشعری لوگوں میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے اور دوسیوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے، ان حضرات کو بھی مالِ غنیمت دیا گیا۔

خیبر کی فتح کے موقع پر حبشہ سے حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے، انھوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، یہ اس موقع پر وہاں سے لوٹے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، مجھے خیبر کی فتح کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے پر زیادہ خوشی ہے۔''

اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کے رہنے والے بہت سے لوگ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سورۂ یاسین پڑھ کر سنائی، اس کو سن کر یہ لوگ رو پڑے، اور ایمان لے آئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبردست خاطر تواضع فرمائی اور فرمایا:

''ان لوگوں نے میرے صحابہ کی بہت عزت افزائی کی تھی۔''

مطلب یہ تھا کہ جب مکہ کے مشرکوں نے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے تھے تو بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، اس وقت وہاں ان کی بہت عزت افزائی ہوئی تھی۔

حبشہ سے جو لوگ آئے تھے، ان میں حضرت ام حبیبہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں شامل تھیں، حبشہ میں رہتے ہوئے ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا۔ مکہ سے دوسری ہجرت کے موقع پر انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، اس وقت ان کا پہلا خاوند عبداللہ بن جحش ساتھ تھا، لیکن حبشہ پہنچ کر وہ مرتد ہو گیا تھا، اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اسی حالت میں مر گیا تھا، جب کہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہی تھیں۔ 7ھ محرم کے مہینے میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ خمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیں، چنانچہ یہ نکاح نجاشی نے پڑھایا تھا۔ اس نکاح سے پہلے حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک دیکھا تھا، اس میں انھیں کوئی پکارنے والا ''ام المومنین'' کہہ کر پکار رہا تھا، اس سے امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا گھبرا سی گئیں، جب انھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام ملا تو تب انھیں اس کی تعبیر معلوم ہوئی۔ ان کا مہر بھی شاہِ نجاشی کی طرف سے ادا کیا گیا... شادی کا کھانا بھی انھی کی طرف سے کھلایا گیا، نجاشی کی جس کنیز

کے ذریعے یہ سارے معاملات طے ہوئے، وہ کنیز بھی اللہ کے رسول پر ایمان لے آئی تھیں اور انھوں نے اپنے ایمان لانے کا پیغام حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا تھا، آپ کو جب اس کنیز کا پیغام ملا تو آپ مسکرائے اور فرمایا: ''اس پر سلامتی ہو۔''



قتل کا ناکام منصوبہ

خیبر کی فتح کے بعد وہاں کی ایک بستی فدک کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو لوگ حاضر ہوئے، ان کے سردار کا نام نون بن یوشع تھا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''ہم اس بات پر صلح کرنے کے لیے تیار ہیں کہ ہماری جاں بخشی کر دی جائے اور ہم لوگ اپنا مال اور سامان لے کر فدک سے جلاوطن ہو جائیں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ یہودیوں نے فدک کا نصف دینے کی بات کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا تھا۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا بہتر ہوگا، فدک کی یہ بستی چونکہ جنگ کے بغیر حاصل ہوگئی تھی، اس لیے یہ مالِ فے تھا، یعنی دشمن سے جنگ کے بغیر حاصل کیا جانے والا مال جس کے خرچ کا مسلمانوں کے حکمران کو اختیار ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی میں سے اپنے گھر والوں پر بھی خرچ کیا کرتے تھے، بنی ہاشم کے چھوٹے بچوں کی پرورش بھی اس کی آمدنی سے فرماتے تھے، بنی ہاشم کی بیواؤں کی شادیاں کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ فدک کا علاقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا

لہٰذا مجھے وراثت میں ملنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ فِدک کا علاقہ انھیں دیا جائے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں مسئلہ سمجھایا اور فرمایا:

''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ہم نبیوں کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ مسلمانوں کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مطمئن ہوگئیں اور پھر دوبارہ یہ مطالبہ نہ کیا۔

جس زمانے میں رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم خیبر پہنچے تھے، اس وقت کھجوریں ابھی پکی نہیں تھیں، چنانچہ ان کچی کھجوروں کو کھانے سے اکثر صحابہ بخار میں مبتلا ہوگئے، انھوں نے اپنی پریشانی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''گھڑوں میں پانی بھرلو اور ٹھنڈا کرلو، فجر کے وقت اللہ کا نام پڑھ کر اس پانی کو اپنے اوپر ڈالو۔''

صحابہ نے اس ہدایت پر عمل کیا تو ان کا بخار جاتا رہا۔ خیبر کی جنگ میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ان کے زخموں پر دم کیا، انھیں اسی وقت آرام آگیا۔

اسی غزوے میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قضائے حاجت کے لیے جانا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دیکھو، کوئی اوٹ کی جگہ نظر آرہی ہے یا نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف دیکھا... کوئی اوٹ کی جگہ نظر نہ آئی، البتہ انھیں ایک اکیلا درخت نظر آیا، انھوں نے بتایا کہ صرف درخت نظر آرہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِدھر اُدھر دیکھو، کوئی اور اوٹ کی چیز نظر آتی ہے۔'' اب انھوں نے پھر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک اور درخت کافی دور نظر آیا، انھوں نے اس دوسرے درخت کے بارے میں آپ کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

''ان دونوں درختوں سے کہو، اللہ کے رسول تمہیں حکم دیتے ہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہوجاؤ... یعنی آپس میں مل جاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دونوں درختوں کو مخاطب کرکے یہ بات کہہ دی، فوراً دونوں درخت حرکت میں آئے اور ایک دوسرے سے مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا پردہ بنالیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فارغ ہونے پر دونوں درخت اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔

جب خیبر فتح ہوگیا تو ایک عورت مسلمانوں کی طرف آتی نظر آئی، وہ لوگوں سے پوچھ رہی تھی کہ اللہ کے رسول کو بکری کے گوشت کا کون سا حصہ زیادہ پسند ہے، لوگوں نے اسے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند ہے۔

اس عورت کا نام زینب تھا، یہ مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم یہودی کی بیوی تھی، یہ بات معلوم کرنے کے بعد وہ واپس لوٹ گئی، اس نے ایک بکری کو ذبح کیا، پھر اس کو بھونا اور اس کے دستی والے حصے میں زہر ملا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا کر واپس تشریف لائے تو اس عورت کو منتظر پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آنے کا سبب پوچھا تو بولی:

''اے ابوالقاسم! میں آپ کے لیے ایک ہدیہ لائی ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اس کا ہدیہ لے لیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا، اس وقت وہاں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

''قریب آجاؤ۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی سے کھانا شروع فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی بشر بن براء نے بھی دستی سے گوشت کا لقمہ منہ میں ڈال لیا اور اسے نگل گئے، جب

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی لقمہ صرف منہ میں ڈالا تھا، دوسرے لوگوں نے دوسری جگہوں سے لقمہ لیا... جونہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ منہ میں ڈالا، فوراً اگل دیا اور فرمایا:

''ہاتھ روک لو، یہ گوشت مجھے بتا رہا ہے کہ اس میں زہر ہے۔''

اس وقت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو لقمہ میں نے کھایا تھا، اس میں مجھے کچھ محسوس ہوا تھا، لیکن میں نے اس کو صرف اس لیے نہیں اُگلا کہ آپ کا کھانا خراب ہوگا، پھر جب آپ نے اپنا لقمہ اگل دیا تو مجھے اپنے سے زیادہ آپ کا خیال آیا اور مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے اس کو اگل دیا۔''

اس کے بعد ان کا رنگ نیلا ہو گیا، وہ ایک سال تک اس زہر کے زیرِ اثر رہے اور اس کے بعد فوت ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کو بلوایا اور اس سے پوچھا:

''کیا تو نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟''

اس نے پوچھا:

''آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے گوشت کے اسی ٹکڑے نے یہ بات بتائی جو میں نے منہ میں رکھا تھا۔''

اس نے اقرار کیا: ''ہاں، میں نے زہر ملایا تھا۔''

تب آپ نے اس سے پوچھا:

''تم نے ایسا کیوں کیا؟''

جواب میں اس نے کہا:

''آپ لوگوں نے (خیبر کی جنگ میں) میرے باپ، بھائی اور میرے شوہر کو قتل کیا

اور میری قوم کو تباہ کیا، اس لیے میں نے سوچا، اگر آپ صرف ایک بادشاہ ہیں تو اس زہر کے ذریعے ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو اس زہر کی پہلے ہی خبر ہو جائے گی۔''

اس کا جواب سن کر آپ نے اسے معاف فرما دیا... کیونکہ آپ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے، البتہ مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچاتا تو اس سے بدلہ لیتے تھے۔ جہاں تک تعلق ہے بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا... تو وہ اس وقت فوت نہیں ہوئے تھے، لیکن جب بعد میں زہر سے ان کی موت واقع ہو گئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت زینب کو بدلے میں قتل کرا دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت اس زہر کا اثر محسوس کیا تھا اور فرمایا تھا: ''اس زہر کے اثر سے میری رگیں کٹ رہی ہیں۔''

غرض! خیبر کی جنگ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

خیبر کی جنگ کے بعد حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے کا واقعہ پیش آیا۔

اس بارے میں خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت اور خیر عطا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اچانک میرے دل میں اسلام کی تڑپ پیدا فرما دی اور مجھے ہدایت کا راستہ نظر آنے لگا، اس وقت میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں ہر موقع پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے اور مخالفت میں سامنے آیا اور ہر بار ہی مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، ہمیشہ ہی مجھے یہ احساس ہوا کہ میں غلطی پر ہوں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا ہو رہا ہے۔ پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لیے مکہ میں تشریف لائے تو میں مکہ سے غائب ہو گیا، تاکہ آپ کے مکہ میں داخلے کا منظر نہ دیکھ سکوں۔ میرا بھائی ولید بن ولید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، وہ مجھ سے بہت پہلے مسلمان ہو چکا تھا، اس نے

مکہ پہنچ کر مجھے تلاش کرایا، مگر میں وہاں تھا ہی نہیں، آخر اس نے میرے نام خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ یہ تھے:

''میرے لیے سب سے زیادہ حیرت کی بات یہی ہے کہ تم جیسا آدمی آج تک اسلام سے دور بھاگتا پھر رہا ہے، تمہاری کم عقلی پر تعجب ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ بہت جلد اسے آپ تک لائے گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس جیسا شخص اسلام سے بے خبر نہیں رہ سکتا، اگر وہ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکوں کے خلاف استعمال کرے تو ان کے لیے خیر ہی خیر ہے اور ہم دوسروں کے مقابلے میں انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اس لیے میرے بھائی اب بھی موقع ہے کہ جو کچھ تم کھو چکے ہو، اسے پالو، تم بڑے اچھے اچھے مواقع کھو چکے ہو''۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھے اپنے بھائی کا یہ خط ملا تو مجھ میں جانے کی امنگ پیدا ہوگئی، دل اسلام کی محبت میں گھر کر گیا، ساتھ ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، اس سے مجھے بہت زیادہ خوشی محسوس ہوئی، پھر رات کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔



پہلا عمرہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک انتہائی تنگ اور خشک علاقے میں ہوں..... لیکن پھر اچانک وہاں سے نکل کر ایک نہایت سرسبز شاداب اور بہت بڑے علاقے میں پہنچ گیا ہوں۔

اس کے بعد جب ہم نے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو مجھے صفوان ملے۔ میں نے ان سے کہا:

''صفوان! تم دیکھ رہے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب اور عجم پر چھاتے جا رہے ہیں، اس لیے کیوں نہ ہم بھی ان کے پاس پہنچ کر ان کی اطاعت قبول کر لیں، کیونکہ حقیقت میں ان کی سربلندی خود ہماری ہی سربلندی ہوگی۔''

اس پر صفوان نے کہا: ''میرے علاوہ اگر ساری دنیا بھی ان کی اطاعت قبول کر لے، میں پھر بھی نہیں کروں گا۔''

اس کا جواب سن کر میں نے سوچا، اس کا باپ اور بھائی جنگِ بدر میں مارے گئے ہیں، لہٰذا اس سے امید رکھنا فضول ہے، چنانچہ اس سے مایوس ہو کر میں ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی، مگر اس نے بھی وہی جواب دیا... میں نے اس سے کہا:

''اچھا خیر... لیکن تم میری بات کو راز میں رکھنا۔''

جواب میں عکرمہ نے کہا: ''ٹھیک ہے، میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد میں عثمان بن طلحہ سے ملا، یہ میرا دوست تھا، اس کے بھی باپ اور بھائی وغیرہ غزوہ بدر میں مارے جا چکے تھے، لیکن میں نے اس سے دل کی بات کہ دی، اس نے فوراً میری بات مان لی، ہم نے مدینہ جانے کا وقت، دن اور جگہ طے کر لی... ہم دونوں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، ایک مقام پر ہمیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ملے، ہمیں دیکھ کر انھوں نے خوشی کا اظہار کیا، ہم نے بھی انھیں مرحبا کیا، اس کے بعد عمرو نے پوچھا:

''آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟''

ہم نے صاف کہ دیا: ''اسلام قبول کرنے جا رہے ہیں۔''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''میں بھی تو اسی لیے جا رہا ہوں۔''

اس پر تینوں خوش ہوئے... اور مدینہ منورہ کی طرف چلے، آخر حرّہ کے مقام پر پہنچ کر ہم اپنی سواریوں سے اترے، ادھر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری آمد کی اطلاع ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا:

''مکّہ نے اپنے جگر پارے تمھارے سامنے لا ڈالے ہیں۔''

اس کے بعد ہم اپنے بہترین لباس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے، اسی وقت میرے بھائی ولید ہم تک پہنچ گئے اور بولے:

''جلدی کرو، اللہ کے رسول تمھاری آمد پر بہت خوش ہیں اور تم لوگوں کا انتظار فرما رہے ہیں۔''

چنانچہ اب ہم تیزی سے آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم جوشی سے سلام کا جواب دیا، اس کے بعد میں نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں، جس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی... میں جانتا تھا کہ تم عقل مند ہو، اسی لیے میری آرزو تھی اور مجھے امید تھی کہ تم خیر کی طرف ضرور جھکو گے۔''

اس کے بعد میں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میری ان غلطیوں کو معاف فرما دیں جو میں نے آپ کے مقابلے پر آ کر کی ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسلام قبول کرنا سابقہ تمام غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

اسی طرح عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما آگے آئے اور انھوں نے بھی اسلام قبول کیا۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دراصل اس سے پہلے شاہِ حبشہ، نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا، اس طرح ایک تابعی کے ہاتھ پر ایک صحابی نے اسلام قبول کیا، کیونکہ نجاشی صحابی نہیں ہیں... انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، لیکن تابعی وہ اس لیے ہیں کہ انھوں نے صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہمیشہ گھڑ سوار دستے کا امیر بنائے رکھا...

یہ تھی تفصیل ان تین حضرات کے ایمان لانے کی... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی بہترین جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے... وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہمارے مسلمان ہونے کے بعد اللہ کے رسول نے جنگی معاملات میں میرے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران بھی ہمارا یہی درجہ رہا۔

صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ مسلمان اس سال تو عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں گے، البتہ انھیں آیندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت ہوگی، اس معاہدے کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضا کی نیت کر کے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار صحابہ تھے، روانہ ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے، ان سب کا ساتھ چلنا ضروری ہے، چنانچہ وہ سبھی صحابہ ساتھ روانہ ہوئے، ان کے علاوہ کچھ وہ تھے جو حدیبیہ میں شریک نہیں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے، اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط کے طور پر ہتھیار بھی ساتھ لیے تھے... مسلمانوں میں سے ایک سو آدمی گھڑ سوار تھے، ان کے امیر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے دروازے سے احرام باندھ لیا تھا، قریش کے کچھ لوگوں نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہتھیار دیکھے تو وہ بوکھلا کر مکہ معظمہ پہنچے اور قریش کو بتایا کہ مسلمان ہتھیار لے آئے ہیں... اور ان کے ساتھ تو گھڑ سوار دستہ بھی ہے، قریش یہ سن کر بدحواس ہوئے اور کہنے لگے:

''ہم نے تو کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو اس معاہدے کے خلاف ہو، بلکہ ہم معاہدے کے پابند ہیں، جب تک صلح نامے کی مدت باقی ہے، ہم اس کی پابندی کریں گے، پھر آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس بنیاد پر ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں؟''...آخر قریش نے مکرز ابن حفص کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا، انھوں نے آپ سے ملاقات کی اور کہا: ''آپ ہتھیار بند ہو کر حرم میں داخل ہونا چاہتے ہیں، جب کہ معاہدہ یہ نہیں ہوا تھا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم ہتھیار لے کر حرم میں داخل نہیں ہوں گے، معاہدے کے تحت صرف میانوں میں رکھی ہوئی تلواریں ہمارے ساتھ ہوں گی... باقی ہتھیار ہم باہر چھوڑ جائیں گے۔''

مکرز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اطمینان کا اظہار کیا اور قریش کو جا کر

اطمینان دلایا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ میں داخلے کا وقت آیا تو قریش کے بڑے بڑے سردار مکہ معظّمہ سے نکل کر کہیں چلے گئے، ان لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض تھا، دشمنی تھی، وہ مکہ معظّمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے نکل گئے۔ آخر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے، صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں تلواریں لیے چل رہے تھے، اور سب "لبیک اللّٰھُمَّ لبیک" پڑھ رہے تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے باقی ہتھیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ محفوظ کرا دیے تھے، وہ جگہ حرم سے قریب ہی تھی، مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان ہتھیاروں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

مکّہ کے مشرکوں نے مسلمانوں کو بہت مدت بعد دیکھا تھا... وہ انھیں کمزور کمزور سے لگے تو آپس میں کہنے لگے: "یثرب کے بخار نے مہاجرین کو کمزور کر دیا ہے۔"

یہ بات آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچی تو حکم فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرمائے گا جو ان مشرکوں کو اپنی جسمانی طاقت دکھائے گا۔"

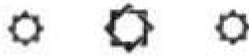
اس بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی اکڑ اکڑ کر اور سینہ تان کر چلیں اور مشرکوں کو دکھا دیں کہ ہم پوری طرح طاقت ور ہیں۔

اس کے بعد جب مسلمانوں نے رمل شروع کیا تو مکّہ کے دوسرے مشرکوں نے ان مشرکوں سے جنھوں نے مسلمانوں کو کمزور بتایا تھا، کہا: "تم لوگ تو کہہ رہے تھے کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، حالانکہ یہ تو پوری طرح طاقت ور نظر آ رہے ہیں۔"

اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی چادر اس طرح اپنے اوپر ڈال رکھی تھی کہ دایاں کندھا کھلا تھا اور اس کا پلّو بائیں کندھے پر تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسے ہی کر لیا، اس طرح چادر لینے کو اضطباع کہتے ہیں... اور اکڑ کر چلنے کو رمل کہتے

ہیں... یہ اسلام میں پہلا اضطباع اور پہلا رمل تھا... اب حج کرنے والے ہوں یا عمرہ کرنے والے، انھیں یہ دونوں کام کرنے ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے کے مطابق تین دن تک مکہ معظّمہ میں ٹھہرے، تین دن پورے ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے باہر نکل آئے، اس دوران آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، ان کا پہلا نام برّہ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل کر کے میمونہ رکھا۔



مُوتہ کی جنگ

عمرے سے فارغ ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے، تو ایک سنگین واقعہ پیش آ گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک خط روم کے بادشاہ ہرقل کے نام بھیجا تھا، یہ خط حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر روانہ ہوئے، موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرجبیل (شُرَ حْ بِیل) غسانی نے انھیں روک لیا، یہ شرجبیل قیصرِ روم کی طرف سے شام کے اس علاقے کا بادشاہ تھا، شرجبیل نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''تم کہاں جا رہے ہو... کیا تم محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصدوں میں سے ہو۔''

جواب میں انھوں نے کہا:

''ہاں! میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قاصد ہوں۔''

یہ سنتے ہی شرجبیل نے انھیں رسیوں سے بندھوا دیا اور پھر انھیں قتل کر دیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصدوں میں یہ پہلے قاصد ہیں جنھیں شہید کیا گیا۔ اللہ کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس واقعہ سے بے حد رنج ہوا۔ آپ نے فوراً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک لشکر تیار کیا، اس کی تعداد تین ہزار تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو شاہِ روم سے جنگ کا حکم فرمایا اور اس لشکر کا سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ جب لشکر کوچ کرنے کے لیے تیار ہو گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:

''اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ جعفر بن ابی طالب لشکر کے امیر ہوں گے، اگر جعفر بن ابی طالب بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے اور اگر عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس پر راضی ہوں، اسے اپنا امیر بنالیں۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات فرمائیں، اس وقت ایک یہودی شخص بھی وہاں موجود تھا اور یہ سب سن رہا تھا، اس نے کہا:

''اگر یہ واقعی نبی ہیں تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جن لوگوں کے نام انھوں نے لیے ہیں وہ سب شہید ہو جائیں گے۔''

یہ بات حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے سن لی تو بولے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید رنگ کا پرچم تیار کیا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، پھر آپ نے مجاہدین کو نصیحت فرمائی:

''جہاں حارث بن عمیر کو قتل کیا گیا ہے، جب تم وہاں پہنچو تو پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا، وہ دعوت قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ اللہ تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد مانگنا اور ان سے جنگ کرنا۔''

لشکر کو روانہ کرتے وقت مسلمانوں نے کہا: ''اللہ تمہارا ساتھی ہو، تمہاری مدد فرمائے، اور تم لوگوں کو خیر اور خوشی کے ساتھ ہمارے درمیان واپس لائے''۔

جب یہ لشکر روانہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع کے مقام تک انھیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ چلے، وہاں پہنچ کر انھیں نصیحت کی: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں، ان سب کے لیے عافیت مانگتا ہوں، اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے شام کی سرزمین میں جا کر جنگ کرو... وہاں تمہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ ملیں گے

جو دنیا سے کٹ گئے ہیں، ان سے نہ الجھنا، کسی عورت پر کسی بچے پر تلوار مت اٹھانا، نہ درختوں کو کاٹنا اور نہ عمارتوں کو مسمار کرنا۔‘‘

عام مسلمانوں نے بھی انھیں رخصت ہوتے ہوئے کہا: ’’اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور تمہیں مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔‘‘

ان دعاؤں کے ساتھ لشکر روانہ ہوا اور شام کی سرزمین میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا کہ روم کا شہنشاہ ہرقل دو لاکھ فوج کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے تیار ہے، اس کے علاوہ عرب کے نصرانی قبائل بھی چاروں طرف سے آکر ہرقل کی فوج میں شامل ہوگئے ہیں اور ان کی تعداد بھی ایک لاکھ کے قریب ہے، اس طرح لشکر کی تعداد تین لاکھ تک جا پہنچی تھی، ان کے پاس بے شمار گھوڑے، ہتھیار اور سازوسامان بھی تھا... اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی کل تعداد صرف تین ہزار تھی اور ان کے پاس سازوسامان بھی برائے نام تھا۔

یہ تفصیلات معلوم ہونے پر اسلامی لشکر وہیں رک گیا، دو رات تک انھوں نے وہاں قیام کیا اور آپس میں مشورہ کیا، کیونکہ اتنی بڑی تعداد والے دشمن سے صرف تین ہزار آدمیوں کے مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا... قدرتی بات ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ سن کر پریشان ہوئے تھے، کسی نے مشورہ دیا:

’’ہمیں چاہیے، یہاں رک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیں تاکہ ہمیں کمک بھیجیں یا واپسی کا حکم فرمائیں‘‘ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرجوش لہجے میں کہا:

’’لوگو! تم اسی مقصد سے جان بچا رہے ہو جس کے لیے وطن سے نکلے ہو، تم شہادت کی تلاش میں نکلے تھے... ہم دشمنوں سے نہ تو تعداد کے بل پر لڑتے ہیں نہ طاقت کے بل پر... ہم تو صرف دین کے لیے لڑتے ہیں... دین کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے، اب یا ہمیں فتح ہوگی یا شہادت نصیب ہوگی۔‘‘

یہ پر جوش الفاظ سن کر صحابہ کرام بول اٹھے:

''اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے بالکل ٹھیک کہا۔'' چنانچہ اس کے بعد لشکر آگے روانہ ہوا اور یہاں تک کہ مُوتہ کے مقام پر پہنچ گئے، اسی مقام پر رومی لشکر بھی مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہاتھ میں لیا اور دشمن کی طرف بڑھے... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی قیادت میں رومی لشکر پر حملہ آور ہوئے۔

مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا تھا... ادھر رومی بھی آخر تین لاکھ تھے... انھوں نے بھی بھرپور حملہ کیا، تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں... نیزے اور تیر چلنے لگے، زخمیوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں... گھوڑوں کے ہنہنانے اور اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں گونجنے لگیں... اس حالت میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پرچم اٹھائے جنگ کر رہے تھے اور مسلسل آگے بڑھ رہے تھے... ان پر جوش کی ایک ناقابلِ بیان کیفیت طاری تھی... ان کے ہاتھوں کتنے ہی رومی جہنم رسید ہوئے... آخر وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اسی وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پرچم لے لیا... وہ اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھے... اب مسلمان ان کی قیادت میں جنگ کرنے لگے، انھوں نے اس قدر شدید جنگ کی کہ بیان سے باہر ہے... لڑتے لڑتے ان کا ایک بازو کٹ گیا... انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا... کچھ ہی دیر بعد کسی نے ان کے بائیں بازو پر وار کیا اور وہ بھی کٹ گیا، انھوں نے پرچم کو اپنی گود کے سہارے سنبھالے رکھا اور اسی حالت میں شہادت کا جام نوش فرمایا...

اُس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آگے آئے اور پرچم اٹھا لیا... انھوں نے گھوڑے کے بجائے پیدل جنگ کرنا مناسب جانا اور دشمنوں سے مقابلہ شروع کر دیا، انھوں نے بھی بہت دلیری سے جنگ کی... یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اب مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کی صفوں میں گھس چکے تھے... اور جنگ گھمسان کی ہو رہی تھی... کافروں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے... لہٰذا ان کی تعداد کو اس تعداد سے کوئی نسبت ہی نہیں تھی، اس لیے ان حالات میں بعض مسلمانوں نے پسپائی اختیار کرنے کا ارادہ کیا... لیکن اسی وقت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پکارے:

''لوگو! اگر انسان سینے پر زخم کھا کر شہید ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ پیٹھ پر زخم کھا کر مرے۔''

ایسے میں حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر گرا ہوا پرچم اٹھا لیا اور بلند آواز میں بولے:

''مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر بنالو... تاکہ پرچم اسے دیا جا سکے۔''

بہت سے صحابہ پکار اٹھے:

''آپ ہی ٹھیک ہیں۔''

یہ سن کر وہ بولے۔

''لیکن میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔''

ان حالات میں سب کی نظریں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر پڑیں... سب نے انھیں امیر بنانے پر اتفاق کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ہی پرچم ان کے حوالے کیا تھا اور کہا تھا:

''جنگ کے اصول اور فن آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔''

اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بولے۔

''نہیں! میرے مقابلے میں آپ اس پرچم کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہیں۔''

آخر سب کا اتفاق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر ہو گیا۔ اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جنگ شروع ہوئی۔

اللہ کی تلوار

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھالتے ہی دشمن پر زبردست حملہ کیا، اس طرح جنگ کا پانسہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں پلٹ گیا، اس طرح کفار پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا اور وہ مزید لڑائی سے کترانے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی مشورے سے اس حد تک کامیابی حاصل کرنے کے بعد واپسی اختیار کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کا امیر بنتے ہی لشکر کا اگلا حصہ پیچھے کر دیا اور پچھلے حصے کو آگے لے آئے، اسی طرح دائیں حصے کو بائیں جانب اور بائیں حصے کو دائیں جانب سے لے آئے، اس طرح انھوں نے پورے لشکر کی ترتیب بدل کر رکھ دی، جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انھیں ہر طرف نئے لوگ نظر آئے، اس طرح انھوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے۔

یہ جنگ مسلسل سات دن تک جاری رہی تھی، امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ موتہ کے موقع پر ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں، صرف ایک یمنی تلوار باقی رہ گئی تھی، جو آخر تک ان آپ کے ہاتھ میں رہی۔

ادھر تو موتہ کے مقام پر یہ جنگ ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ منورہ میں کیا ہو رہا تھا، وہاں کا منظر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا حال بتا دیا، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہ کرام کو جنگ کی خبریں سنانے کے لیے مسجدِ نبوی میں بلا لیا اور خود منبر پر تشریف فرما ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو تھے... آپ نے بتانا شروع کیا۔

''لوگو! خیر کا دروازہ... خیر کا دروازہ... خیر کا دروازہ کھل گیا ہے، میں تمھیں، تمہارے لشکر کے بارے میں بتاتا ہوں، ان غازیوں کے بارے میں بتاتا ہوں، وہ لوگ یہاں سے رخصت ہو کر چلے، یہاں تک کہ دشمن سے ان کی ٹڈ بھیڑ ہوگئی اور زید بن حارثہ شہید ہو گئے، ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو، پھر جعفر نے پرچم لیا اور بڑی ثابت قدمی سے لڑے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، ان کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرو، پھر عبداللہ بن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر خالد بن ولید نے پرچم اٹھالیا، وہ لشکر کے امیر نہیں تھے، وہ خود اپنی ذات کے امیر تھے... مگر وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں، اس لیے اللہ کی مدد تیار ہے، اللہ تعالیٰ نے اس تلوار کو کافروں پر سونت دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دشمن پر فتح نصیب فرمائی۔''

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعا فرمائی۔

''اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، تو اس کی مدد فرما۔''

اسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جانے لگا۔

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، جس روز اس لڑائی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا:

''جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بچوں کو آپ کے پاس لے آئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پیار کرنے لگے اور ساتھ میں روتے بھی رہے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو حیرت ہوئی، پوچھنے لگیں:

''اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کیوں رو رہے ہیں، کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟''

جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں! وہ اور ان کے ساتھی آج ہی شہید ہوئے ہیں۔''

وہ یک دم کھڑی ہوگئیں اور رونے لگیں... یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس وقت حضرت جعفر اور ان کے ساتھی مدینہ منورہ سے بہت فاصلے پر ملک شام میں لڑ رہے تھے اور وہاں سے کسی طرح بھی خبر آنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اب ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، آپ نے حضرت اسماء کو بلند آواز سے روتے دیکھا تو فرمایا:

''اے اسماء! نہ بین کرنا چاہیے اور نہ رونا پیٹنا چاہیے۔''

جلد ہی وہاں عورتیں بھی جمع ہوگئیں... وہ بھی یہ خبر سن کر رونے لگیں، نوحہ اور ماتم کرنے لگیں، کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتایا۔

''عورتیں بہت ماتم اور نوحہ کر رہی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا۔

''جا کر انھیں خاموش کرو۔''

وہ گئے اور جلد ہی واپس آکر بولے:

''اللہ کے رسول! وہ خاموش نہیں ہو رہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جاؤ! انھیں خاموش کرنے کی کوشش کرو اور اگر نہ مانیں تو ان کے منہ میں مٹی پھینکو۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کے بارے میں دعا فرمائی:

''اے اللہ! جعفر بہترین ثواب کے حق دار ہو گئے ہیں، تو ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لائے اور اپنے گھر والوں سے فرمایا:

''جعفر کے بیوی بچوں سے غافل نہ ہو جانا، آج وہ بہت غمگین ہیں، ان کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجو۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں بازوؤں کی جگہ دو پر لگا دیے ہیں، وہ ان کے ذریعے جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش پر ان کے سینے اور مونڈھوں کے درمیانی حصے میں نوے زخم آئے تھے، یہ تلوار اور نیزے کے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس روز تھے بھی روزے سے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جعفر کے پاس شام کے وقت پہنچا، وہ میدانِ جنگ میں زخموں سے چور پڑے تھے، میں نے انھیں پانی پیش کیا تو انھوں نے فرمایا:

''میں روزے سے ہوں، تم یہ پانی میرے منہ کے پاس رکھ دو، اگر میں سورج غروب ہونے تک زندہ رہا تو اس پانی سے روزہ افطار کر لوں گا۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی وہ شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ آپ نے کیوں فرمایا؟''

جواب میں ارشاد فرمایا:

"ابھی میرے پاس سے جعفر ابن ابی طالب فرشتوں کے جمگھٹ میں گزرے ہیں، انھوں نے مجھے سلام کیا تھا۔"

غزوہ موتہ سے واپس آنے والا لشکر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا، تو وہیں آ کر اللہ کے رسول اور مسلمانوں نے ان سے ملاقات کی، شہر میں بچوں نے اشعار گا کر انھیں خوش آمدید کہا، اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی سواری پر تشریف لا رہے تھے، ان بچوں کو دیکھ کر فرمایا:

"انھیں اٹھا کر سواریوں پر بٹھا لو اور جعفر کے بچوں کو میرے پیچھے بٹھا دو۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس طرح یہ لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا، تین لاکھ دشمنوں کے مقابلے میں صرف تین ہزار صحابہ کا مقابلہ کرنا اور ان کے بے شمار لوگوں کو قتل کر کے لشکر کا صحیح سلامت واپس مدینہ منورہ لوٹ آنا ایک بہت بڑی کامیابی تھی... اس بہت بڑی کامیابی پر جس قدر بھی خوشی محسوس کی جاتی کم تھی۔

اس جنگ کے بعد مکہ فتح ہوا۔ یہ غزوہ رمضان 8 ہجری میں پیش آیا، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور قریش کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ دوسرے عرب قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ بھی دونوں فریقوں میں سے کسی بھی طرف سے اس صلح نامے میں شامل ہو سکتا ہے، یعنی اگر کوئی قبیلہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ قبیلہ بھی ان شرائط کا پابند ہوگا، جن کے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پابند ہیں، اور جو قبیلہ قریش کی طرف سے اس میں شامل ہونا چاہے، وہ ایسا کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا، جن کے پابند قریش تھے۔

اس شرط کی رو سے بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اور بنی خزاعہ کا قبیلہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے اس صلح میں شامل ہوا، جب کہ ان دونوں قبیلوں میں بہت پرانی دشمنی تھی، دونوں کے درمیان کافی قتل و غارت گری ہو چکی تھی، خون کے بدلے باقی تھے...

لیکن اسلام کی آمد نے ان دشمنیوں کو دبا دیا تھا۔

اب ہوا یہ کہ بنی بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں توہین آمیز شعر لکھے اور ان کو گانے لگا، بنی خزاعہ کے ایک نوجوان نے ان اشعار کو سن لیا، اس نے بنی بکر کے شخص کو پکڑ کر مارا، اس سے وہ زخمی ہوگیا، اس پر دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ پرانی دشمنی تو ان میں پہلے سے چلتی آ رہی تھی۔



قریش کی بدعہدی

بنی بکر نے ساتھ میں قریش سے بھی مدد مانگ لی، قریشی سرداروں نے ان کی درخواست قبول کرلی، ان کی مدد کے لیے آدمی بھی دیے اور ہتھیار بھی، پھر یہ سب مل کر ایک رات اچانک بنی خزاعہ پر ٹوٹ پڑے، وہ لوگ اس وقت بے فکری سے سوئے ہوئے تھے، ان لوگوں نے بنی خزاعہ کو بے دردی سے قتل کرنا شروع کیا، بنی خزاعہ کے بعض افراد جانیں بچانے کے لیے وہاں سے بھاگے اور ایک مکان میں گھس گئے... قریش نے انھیں وہاں بھی جا گھیرا اور پھر اس مکان میں گھس کر انھیں قتل کیا۔

اس طرح قریش نے بنی بکر کی مدد کے سلسلے میں اس صلح نامے کی دھجیاں اڑا دیں... جب یہ سب کر بیٹھے تو احساس ہوا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ اب وہ جمع ہو کر اپنے سردار ابوسفیان کے پاس آئے، سارا واقعہ سن کر انھوں نے کہا:

''یہ ایسا واقعہ ہے کہ میں اگرچہ اس میں شریک نہیں ہوں، لیکن بے تعلق بھی نہیں رہا اور یہ بہت برا ہوا۔ اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب ہم سے جنگ ضرور کریں گے... اور میں تمھیں بتائے دیتا ہوں... میری بیوی ہندہ نے ایک بہت بھیانک خواب دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا ہے کہ حجون کی طرف سے خون کا ایک دریا بہتا ہوا آیا اور خندمہ تک پہنچ گیا، لوگ اس دریا کو دیکھ کر سخت پریشان اور بدحواس ہو رہے ہیں۔''

اس پر قریش نے ان سے کہا۔

''جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا، اب آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں اور ان سے نئے سرے سے معاہدہ کریں... آپ کے سوا یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا...''

اس پر ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے... ادھر ان سے پہلے بنی خزاعہ کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور جو کچھ ہوا تھا، تفصیل سے بیان کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجدِ نبوی میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، بنی خزاعہ کی دردبھری روداد سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور ارشاد فرمایا:

''اگر میں بنی خزاعہ کی مدد انھی چیزوں سے نہ کروں، جن سے میں اپنی مدد کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ فرمائے۔''

اسی وقت آسمان پر ایک بدلی آ کر تیرنے لگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

''یہ بدلی بنی خزاعہ کی مدد کے لیے بلند ہوئی ہے۔''

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے، رات میں اٹھ کر انھوں نے نماز پڑھنے کے لیے وضو کیا، ایسی حالت میں، میں نے انھیں لبیک لبیک لبیک فرماتے سنا... یعنی میں حاضر ہوں... میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

''میں مدد کروں گا، میں مدد کروں گا، میں مدد کروں گا۔''

اب وہاں کوئی اور تو تھا نہیں... چنانچہ میں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو تین بار لبیک اور میں مدد کروں گا، فرماتے ہوئے سنا ہے... یہ کیا معاملہ ہے؟''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بنی خزاعہ کے ساتھ کوئی واقعہ ہو گیا ہے۔''

اس کے تین دن بعد بنی خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تھے... گویا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی تھی، جب کہ ابوسفیان اس کوشش میں تھے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جا کر ملیں... یعنی ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کو اس واقعہ کی خبر نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی پہلے ہی ان الفاظ میں خبر دے دی تھی:

''بس یوں سمجھو! نئے سرے سے معاہدہ کرنے اور اس کی مدت بڑھانے کے لیے ابو سفیان آیا ہی چاہتا ہے۔''

پھر ابوسفیان سے پہلے ہی بنی خزاعہ کا وفد مدینہ منورہ پہنچ گیا، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر واپس روانہ ہوئے تو راستے میں ابوسفیان سے اُن کا سامنا ہوا، ابوسفیان نے ان سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی، لیکن وہ بتائے بغیر آگے بڑھ گئے... تاہم ابوسفیان نے بھانپ لیا کہ یہ لوگ اسی سلسلے میں مدینہ منورہ گئے تھے۔

مدینہ پہنچتے ہی ابوسفیان سیدھے اپنی بیٹی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام المومنین اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے... گھر میں داخل ہونے کے بعد جب ابوسفیان نے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام المومنین اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا، یہ دیکھ کر ابوسفیان حیرت زدہ رہ گئے، انھوں نے کہا:

''بیٹی یہ کیا! مہمان کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں کہ اٹھاتے ہیں۔''

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بستر ہے... اور آپ ابھی مشرک ہیں۔''

یہ سن کر ابوسفیان بولے:

''اللہ کی قسم! میرے پاس سے آنے کے بعد تجھ میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔''

اس پر حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''یہ بات نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ مجھے اسلام کی ہدایت عطا ہوگئی ہے، جب کہ آپ پتھروں کو پوجتے ہیں، ان بتوں کو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں... آپ پر تعجب ہے، آپ قبیلہ قریش کے سردار اور بزرگ ہیں، سمجھ دار آدمی ہیں، اور اب تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔''

ان کے جواب میں ابوسفیان بولے:

''تو کیا میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دین کو اختیار کر لوں!!۔''

پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے سرے سے معاہدہ کرنے سے انکار فرما دیا، اب وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے... انھوں نے بھی کوئی بات نہ سنی... وہ بار بار سبھی بڑے لوگوں کے پاس گئے... لیکن کسی نے ان سے بات نہ کی... آخر ابوسفیان مایوس ہوگئے اور واپس مکہ لوٹ آئے، انھوں نے قریش پر واضح کر دیا کہ وہ بالکل ناکام لوٹے ہیں۔

ادھر ابوسفیان کے روانہ ہونے کے بعد ہی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو کوچ کا حکم فرمایا۔ مسلمانوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو بھی تیاری کا حکم فرمایا، لیکن یہ وضاحت نہیں فرمائی تھی کہ کہاں جانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے دیہاتوں میں یہ پیغام بھیج دیا، ان لوگوں کو حکم ہوا کہ رمضان کا مہینا مدینہ منورہ میں گزاریں، اس اعلان کے فوراً بعد چاروں طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ قریش کے جاسوسوں اور سن گن لینے والوں کو روک دے، تاکہ ہم ان کے علاقے میں اچانک جا پڑیں۔''

ادھر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ احتیاط فرما رہے تھے کہ کسی طرح قریش کو ان کی تیاریوں

کا علم نہ ہو... ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے تین بڑے بڑے سرداروں کے نام خط لکھا۔ اس خط میں انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تیاریوں کی اطلاع دی تھی، یہ خط انھوں نے ایک عورت کو دیا اور اس سے کہا:

''اگر تم یہ خط قریش تک پہنچا دو تو تمہیں زبردست انعام دیا جائے گا۔''

اس نے خط پہنچانا منظور کر لیا۔ اس پر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے دس دینار اور ایک قیمتی چادر دی اور اس سے کہا:

''جہاں تک ممکن ہو، اس خط کو پوشیدہ رکھنا اور عام راستوں سے سفر نہ کرنا... کیونکہ جگہ جگہ نگرانی کرنے والے بیٹھے ہیں۔''

وہ عورت عام راستہ چھوڑ کر ایک اور راستے سے مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئی، اس کا نام سارہ تھا، وہ مکہ کی ایک گلوکارہ تھی، مدینہ منورہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آکر مسلمان ہوئی تھی، اس نے اپنی خستہ حالی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدد بھی کی تھی، پھر یہ مکہ چلی گئی، لیکن وہاں جا کر اسلام سے پھر گئی... پھر یہ وہاں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں توہین آمیز اشعار پڑھنے لگی، ان دنوں سارہ دوبارہ مدینہ آئی ہوئی تھی... حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے یہ خط دیا تو وہ یہ کام کرنے پر رضامند ہوگئی۔

اس نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپا لیا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی... ادھر یہ روانہ ہوئی، اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کے بارے میں خبر بھیج دی۔ آسمان سے اطلاع ملتے ہی آپ نے اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''وہ عورت تمہیں فلاں مقام پر ملے گی... اس کے پاس ایک خط ہے، خط میں قریش کے خلاف ہماری تیاریوں کی اطلاع ہے، تم لوگ اس عورت سے وہ خط چھین لو... اگر وہ

خط دینے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا۔''

یہ صحابہ حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم تھے۔ حکم ملتے ہی یہ اس مقام کی طرف روانہ ہو گئے... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق وہ عورت ٹھیک اسی مقام پر جاتے ہوئے ملی، انھوں نے اسے گھیر لیا۔



مکّہ کی طرف کوچ

انھوں نے اس عورت سے پوچھا:

''وہ خط کہاں ہے؟''

اس نے قسم کھا کر کہا:

''میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔''

آخر اسے اونٹ سے نیچے اتارا گیا۔ تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کبھی غلط بات نہیں کہتے......''

جب اس عورت نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی طرح نہیں مانیں گے تو اس نے اپنے سر کے بال کھول ڈالے اور ان کے نیچے چھپا ہوا خط نکال کر انھیں دے دیا۔ بہر حال ان حضرات نے خط لا کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا۔ خط حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا اور اس میں درج تھا کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جنگ کی تیاری شروع کر دی ہے اور یہ تیاری ضرور تم لوگوں کے خلاف ہے۔ میں نے مناسب جانا کہ تمھیں اطلاع دے کر تمہارے ساتھ بھلائی کروں۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ انھیں خط دکھایا

اور پوچھا:

''حاطب! اس خط کو پہچانتے ہو؟''

جواب میں انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں پہچانتا ہوں... میرے بارے میں جلدی نہ کیجیے! میرا قریش سے کوئی تعلق نہیں، جب کہ آپ کے ساتھ جو مہاجر مسلمان ہیں، ان سب کی قریش کے ساتھ رشتے داریاں ہیں... اس وجہ سے مشرک ہونے کے باوجود وہاں موجود ان کے رشتے دار محفوظ ہیں... وہ انھیں کچھ نہیں کہتے... لیکن چونکہ میری ان سے رشتے داری نہیں، اس لیے مجھے اپنے گھر والوں کے بارے میں تشویش رہتی ہے... میری بیوی اور بیٹا وہاں پھنسے ہوئے ہیں... سو میں نے سوچا، اس موقع پر قریش پر یہ احسان کردوں... تا کہ وہ میرے گھر والوں کے ساتھ ظلم نہ کریں اور بس... اس خط سے میرا مقصد صرف اتنا تھا... اور یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے اس خط سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا... قریش پر اللہ کا قہر نازل ہونے والا ہے۔''

ان کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم نے حاطب کی بات سنی! انھوں نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے... اب تم لوگ کیا کہتے ہو؟''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ اس شخص کا سر قلم کردوں، کیونکہ یہ منافق ہو گیا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمر! یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور عمر تمہیں کیا پتا، ممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر سے یہ فرما دیا ہو کہ تم جو چاہے کرو، میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔''

نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشادِ مبارک سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین آ چکا ہے، وہ اس کے منکر ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو۔“

اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا۔ مدینہ میں اپنا قائم مقام ابو حضرت رہم کلثوم ابن حصن انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم 10 رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اس غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 10 ہزار صحابہ تھے۔ یہ تعداد انجیل میں بھی آئی ہے... وہاں یہ کہا گیا ہے کہ ”وہ رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے اترے گا۔“...... اس موقع پر مہاجرین اور انصار میں سے کوئی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ان کے ساتھ تین سو گھوڑے اور نو سو اونٹ تھے۔ ان مقدس صحابہ کے علاوہ راستے میں کچھ قبائل بھی شامل ہو گئے تھے۔

اس سفر میں روزوں کی رخصت کی اجازت بھی ہوئی، یعنی جس کا جی چاہے سفر میں روزہ رکھ لے، جو رکھنا نہ چاہے، وہ بعد میں رکھے... اس طرح سفر اور جنگ کے موقعوں پر یہ اجازت ہوگئی۔ سفر کرتے کرتے آخر لشکر مرظہران کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس مقام کا نام اب بطنِ مرو ہے۔ لشکر کی روانگی سے پہلے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ قریش کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو... اس لیے انھیں خبر نہ ہو سکی۔

مرظہران کے مقام پر پہنچ کر رات کے وقت مسلمانوں نے آگ جلائی۔ چونکہ بارہ ہزار کے قریب تعداد تھی، اس لیے بہت دور دور تک آگ کے الاؤ روشن ہو گئے۔ جس وقت یہ لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تھا، اس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیں... لیکن نبیٔ اکرم صلّی اللہ

علیہ وسلّم سے ان کی ملاقات راستے ہی میں ہوگئی۔ یہ ملاقات مقامِ جحفہ پر ہوئی... حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے۔ انھوں نے اپنے گھر کے افراد کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ اس موقع پر اللہ کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا:

''اے چچا! آپ کی یہ ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے۔''

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمایا کہ عام طور پر مسلمان قریش کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ منورہ ہجرت کرتے تھے، لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ فتح کرنے کے لیے تشریف لے جارہے تھے، اس کے بعد تو مکہ سے ہجرت کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ آپ کی اسی طرح آخری ہجرت ہے۔ جس طرح میری نبوت آخری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا مکمل طور پر رد ہو گیا۔ (ختم نبوت زندہ باد)۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس خیال سے مکّہ کی طرف چلے کہ قریش کو بتائیں، اللہ کے رسول کہاں تک آچکے ہیں اور قریش کے حق میں بہتر ہے کہ مکّہ معظّمہ سے نکل کر پہلے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں...

ادھر یہ اس ارادے سے نکلے، ادھر ابو سفیان، بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبریں حاصل کرنے کے لیے نکلے... کیونکہ اتنا ان لوگوں کو اس وقت معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا ہے... لیکن انھیں یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف گئے ہیں... اب جو یہ باہر نکلے تو ہزاروں جگہوں پر آگ روشن دیکھی تو بری طرح گھبرا گئے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلا:

''میں نے آج کی رات جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی اور نہ اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا... یہ تو اتنی آگ ہے جتنی عرفہ کے دن حاجی جلاتے ہیں۔''

جس وقت ابوسفیان نے یہ الفاظ کہے، اسی وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ انھوں نے الفاظ سن لیے، چنانچہ انھوں نے ان حضرات کو دیکھ لیا اور ان کی طرف آ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یوں بھی حضرت ابوسفیان کے دوست تھے۔

''ابوحنظلہ! یہ تم ہو'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے۔ ابوحنظلہ ابوسفیان کی کنیت تھی۔

''ہاں! یہ میں ہوں... اور میرے ساتھ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام ہیں... تم کہاں؟''

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقابلے میں اتنا بڑا لشکر لے آئے ہیں... اب تمہارے لیے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔''

ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور کہنے لگے:

''آہ! اب قریش کا کیا ہوگا... کوئی تدبیر بتاؤ۔''

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر قابو پا لیا تو تمہارا سر قلم کرا دیں گے... اس لیے بہتر یہی ہے کہ میرے خچر پر سوار ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں اور تمہاری جاں بخشی کرا لوں۔''

حضرت ابوسفیان فوراً ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے خچر پر سوار ہو گئے اور وہ خچر آنحضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ ان کے دونوں ساتھی وہیں سے واپس لوٹ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوسفیان اس جگہ سے گزرے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آگ جلا رکھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں دیکھ لیا، فوراً اٹھ کر ان کی طرف آئے اور پکار اٹھے:

''کون! اللہ کا دشمن ابوسفیان۔''

یہ کہتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے ... یہ دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی خچر کو ایڑ لگا دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ... پھر جلدی سے خچر سے اتر کر خیمے میں داخل ہو گئے۔ ان کے فوراً بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خیمے میں داخل ہو گئے... اور بول اٹھے:

''یارسول اللہ! یہ دشمنِ خدا ابوسفیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر بغیر کسی معاہدے کے ہمیں قابو عطا فرمایا ہے، لہٰذا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔''

مگر اس کے ساتھ ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے اللہ کے رسول! میں انھیں پناہ دے چکا ہوں۔''

اب منظر یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار سونتے کھڑے تھے کہ ادھر حکم ہو، ادھر وہ ابوسفیان کا سر قلم کر دیں... دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے:

''اللہ کی قسم! آج رات میرے علاوہ کوئی شخص اس کی جان بچانے کی کوشش کرنے والا نہیں ہے۔''



جب بت منہ کے بل گرنے لگے

آخر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عباس! ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ اور صبح انھیں میرے پاس لے آنا۔''

صبح کو اذان ہوئی تو لوگ تیزی سے نماز کے لیے لپکنے لگے۔ ابوسفیان لشکر میں یہ ہل چل دیکھ کر گھبرا گئے۔ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

''ابوالفضل! یہ کیا ہو رہا ہے؟''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا:

''لوگ نماز کے لیے جا رہے ہیں۔''

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دراصل اس خیال سے گھبرائے تھے کہ کہیں اُن کے بارے میں کوئی حکم نہ دیا گیا ہو۔ پھر انھوں نے دیکھا، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی جمع کر رہے ہیں۔ پھر انھوں نے دیکھا، اللہ کے رسول رکوع کرتے ہیں تو سب لوگ بھی آپ کے ساتھ رکوع کرتے ہیں اور آپ سجدہ کرتے ہیں تو لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے عباس! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو حکم بھی دیتے ہیں، لوگ فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔''

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے:

''ہاں! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کھانے پینے سے روک دیں تو یہ اس حکم پر بھی عمل کریں گے۔''

اس پر ابوسفیان بولے:

''میں نے زندگی میں ان جیسا بادشاہ نہیں دیکھا۔ نہ کسریٰ ایسا ہے، نہ قیصر... اور نہ بنی اظفر کا بادشاہ۔''

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔''

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا:

''ابوسفیان! افسوس ہے! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' کی گواہی دو۔''

ابوسفیان فوراً بولے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

ان کے ساتھ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام بھی ایمان لے آئے... یہ لوگ واپس نہیں گئے تھے... کہیں رک کر حالات کا انتظار کرنے لگے تھے۔

اس کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! لوگوں میں امان اور جاں بخشی کا اعلان کرا دیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں! جس نے ہاتھ روک لیا (یعنی ہتھیار نہ اٹھایا) اسے امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے اور جو شخص تمہارے گھر میں آ جائے گا اسے بھی امان ہے... اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے۔''

ساتھ ہی آپ نے ابورُ دیحہ رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم دے کر فرمایا:

''جو شخص ابورُ دیحہ کے پرچم کے نیچے آ جائے گا، اسے بھی امان ہے۔''

پھر آپ نے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے بارے میں ہدایت فرمائی:

''ان تینوں کو وادی کے تنگ حصے کے پاس روک لو تا کہ جب اللہ کا لشکر وہاں سے گزرے تو وہ اس کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا... اس طرح تمام قبائل حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرے۔ جو قبیلہ بھی ان کے سامنے سے گزرتا، تین مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کرتا۔ اس عظیم لشکر کو دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

''اللہ کی قسم ابوالفضل! آج تمہارے بھتیجے کی مملکت بہت زبردست ہو چکی ہے۔''

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ سلطنت اور حکومت نہیں بلکہ نبوت اور رسالت ہے۔''

پھر جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کے قریب پہنچے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کہا:

''اے گروہِ قریش! یہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنا عظیم الشان لشکر لے کر تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں... اس لیے اب جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے امان ہو گی...''

یہ سن کر قریش کہنے لگے:

''کیا تمہارا گھر ہم سب کے لیے کافی ہو جائے گا؟''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسے بھی امان ہے، جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے اور جو حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے گا اسے بھی امان ہے اور جو ہتھیار ڈال دے گا اسے بھی امان ہے۔''

یہ سنتے ہی لوگ دوڑ پڑے... اور جسے پناہ کی جو جگہ بھی مل سکی... وہاں جا گھسے۔ اس طرح مکہ معظمہ جنگ کے بغیر فتح ہوا۔ یہ تاریخ انسانیت کا منفرد واقعہ ہے کہ ایک مغلوب قوم بغیر کشت وخون کے اپنے جانی دشمنوں پر غالب آ گئی ہو اور اس نے کوئی انتقام نہ لیا ہو۔

اس عام معافی کے اعلان کے باوجود گیارہ آدمی ایسے تھے جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی خانہ کعبہ کا پردہ بھی پکڑ کر کھڑا ہو جائے، اسے بھی قتل کیا جائے۔ ان میں عبداللہ بن ابی سرح بھی تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، اس لیے قتل نہیں کیے گئے۔ دوسرے عکرمہ بن ابوجہل تھے، یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ غرض ان گیارہ میں سے زیادہ تر مسلمان ہو گئے تھے، اس لیے قتل ہونے سے بچ گئے۔

اس روز کچھ مشرکوں نے مقابلہ کرنے کی بھی ٹھانی۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو شامل تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندمہ کے مقام پر جمع ہوئے۔ خندمہ مکہ معظمہ کا ایک پہاڑ ہے۔ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس مقابلے میں اٹھائیس کے قریب مشرک مارے گئے۔ باقی بھاگ نکلے۔

آخر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی چادر کا ایک پلہ سر پر لپیٹ رکھا تھا... اور عاجزی اور انکساری سے سر کو کجاوے پر رکھا ہوا تھا... اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

"اے اللہ! زندگی اور عیش صرف آخرت ہی کا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کداء کے مقام سے مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ مقام مکہ کی

بالائی سمت میں ہے... مکہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل بھی فرمایا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعب ابی طالب کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہ وہی گھاٹی تھی جس میں قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سال تک رہنے پر مجبور کردیا تھا... اور وہ تین سال مسلمانوں کے لیے انتہائی دکھ اور درد کے سال تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے اور مکہ کے مکانات پر نظر پڑی تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔

مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن داخل ہوئے... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی تھی، وہ بھی پیر ہی کا دن تھا۔ آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں داخل ہوئے... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر چل رہے تھے... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باتیں کررہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے ہی کعبہ کے سات طواف کیے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ان چکروں کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک سے حجرِ اسود کا استلام کیا یعنی بوسہ دینے کا اشارہ کیا۔

اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ عرب کے ہر قبیلے کا بت الگ الگ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت ایک لکڑی تھی، جس سے ہر بت کو ہلاتے چلے گئے... بت منہ کے بل گرتے چلے گئے... اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 81 تلاوت فرمارہے تھے... اس کا ترجمہ یہ ہے:

''حق آیا اور باطل گزر گیا اور واقعی باطل چیز تو یونہی آنی جانی ہے۔''

طواف کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہُبل بت کے پاس پہنچے، قریش کو اس بت پر بہت فخر تھا، وہ اس کی عبادت بہت فخر سے کیا کرتے تھے۔ یہ قریش کے سب سے بڑے بتوں میں سے ایک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لکڑی اس بت کی آنکھوں پر ماری... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔

اس وقت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے ابوسفیان! ہبل توڑ دیا گیا... تم اس پر فخر کیا کرتے تھے۔''

یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے:

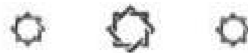
''اے ابن عوام! اب ان باتوں کا کیا فائدہ۔''

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم پر پہنچے۔ اس وقت یہ مقام خانہ کعبہ سے ملا ہوا تھا... اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور چھت پر بنی خزاعہ کا جو بت ہے... اس پر چوٹ مارو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور چھت پر چڑھ کر بت کو ضرب لگائی... یہ آہنی سلاخوں سے نصب کیا گیا تھا... آخر اکھڑ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''بلال!! عثمان بن ابی طلحہ سے کعبہ کی چابیاں لے آؤ۔''



فتحِ مکہ کے بعد

چابیاں آ گئیں تو دروازہ کھولا گیا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ کعبہ میں پہنچ کر وہاں بنی ہوئی تصاویر کو مٹا دیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی تصاویر مٹائی جا چکی تھیں، لیکن ان تصاویر میں ایک تصویر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں مٹایا تھا۔ اس پر نظر پڑی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عمر! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ کعبہ میں کوئی تصویر باقی نہ چھوڑنا۔''

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے جو ایسی چیزوں کی تصاویر بناتے ہیں جنہیں وہ پیدا نہیں کر سکتے... اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کرے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی بلکہ وہ پکے سچے مسلمان تھے۔''

اس کے بعد اس تصویر کو بھی مٹا دیا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو ستونوں کے درمیان میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جب آپ اور آپ کے چند ساتھی کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے، اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہرہ دینے کے لیے

دروازے پر کھڑے ہو گئے، وہ مزید لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکتے رہے۔

پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم باہر تشریف لائے اور مقامِ ابراہیم پر پہنچے۔ مقامِ ابراہیم اس وقت کعبہ سے ملا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو رکعتیں ادا کیں، اس کے بعد آبِ زمزم منگا کر پیا اور وضو فرمایا۔ صحابہ کرام اس وقت لپک لپک کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ مطلب یہ کہ وہ آپ کے وضو کے پانی کو نیچے نہیں گرنے دے رہے تھے۔ مشرکینِ مکّہ نے جب یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھے:

''ہم نے آج تک ایسا منظر دیکھا نہ سنا... نہ یہ سنا کہ کوئی بادشاہ اس درجے کو پہنچا ہو۔''

اللہ کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب حرم میں آکر بیٹھ گئے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ایسے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھ کر گئے اور اپنے والد ابوقحافہؓ کا ہاتھ پکڑ کر انھیں لے آئے۔ ابوقحافہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ادھر جونہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ حضرت ابوقحافہ پر پڑی تو فرمایا:

''اے ابا بکر! تم نے والدِ محترم کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔''

اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ خود چل کر آپ کے پاس آئیں۔''

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابوقحافہ کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے بٹھا دیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر پھیرا اور فرمایا:

''مسلمان ہو کر عزت اور سلامتی کا راستہ اختیار کرو۔''

وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! تمہیں مبارک ہو۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور صداقت کے ساتھ ظاہر فرمایا، میرے

والد ابو قحافہ کے اسلام کے مقابلے میں آپ کے چچا ابو طالب ایمان لے آتے تو یہ میرے لیے زیادہ خوشی کی بات ہوتی۔"

اس وقت حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے بال بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

"ان بالوں کو مہندی سے رنگ لو... لیکن سیاہ خضاب نہ لگاؤ۔"

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بالوں کی سفیدی کا احساس ہوا تھا۔ جب زیادہ عمر ہونے پر بال سفید ہونے لگے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! یہ کیسی بدصورتی ہے جس سے میرا روپ بدنما ہو گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"یہ چہرے کا وقار ہے، اسلام کا نور ہے۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! جس نے یہ گواہی دی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میری خدائی میں کوئی شریک نہیں اور اس کے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گئے تو قیامت کے دن مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ اس کے لیے میزانِ عدل قائم کروں یا اس کا نامہ اعمال سامنے لاؤں یا اسے عذاب دوں۔"

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

"اے پروردگار! پھر تو اس سفیدی کو میرے لیے اور زیادہ کر دے۔"

چنانچہ اس کے بعد ان کا سر برف کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑھاپے کی سفیدی اور خود بڑھاپا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور مومن کے لیے عمر کی یہ منزل بھی شکر کا مقام ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ ان کا سارا کا سارا گھرانہ ہی مسلمان ہوا۔ کوئی ایک فرد بھی نہیں رہا جو مسلمان نہ ہوا ہو۔

عکرمہ بن ابی جہل ان گیارہ افراد میں سے ایک تھے جن کے قتل کا حکم آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلّم نے دیا تھا... اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اوران کے باپ ابوجہل نے مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی تھیں... یہ حکم سنتے ہی حضرت عکرمہ یمن کی طرف بھاگ نکلے۔ اس وقت تک ان کی بیوی حضرت امِ حکیمؓ بنتِ حارث مسلمان ہوچکی تھیں۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عکرمہ کے لیے امان طلب کرلی اوران کے تعاقب میں گئیں۔ حضرت عکرمہ بحری جہاز میں سوار ہوچکے تھے تاکہ کسی دوسرے ملک چلے جائیں۔ یہ بحری جہاز سے انھیں واپس لے آئیں اوران سے کہا:

''میں تمہاری طرف اس شخصیت کے پاس سے آئی ہوں جوسب سے زیادہ رشتے داریوں کا خیال کرنے والے اورسب سے بہترین انسان ہیں۔ تم اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو، کیونکہ میں تمہارے لیے امان حاصل کرچکی ہوں۔''

اس طرح حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بہت بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ وہ بہت زبردست جنگجو بھی تھے، خوب جہاد کیا، بڑے صحابہ میں آپ کا شمار ہوا۔ جنگِ یرموک میں رومیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

اس طرح باقی لوگوں کو بھی امان مل گئی۔ ان میں حضرت ہندہ بنتِ حارث بھی تھیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے قتل کا بھی حکم دیا تھا۔ یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں... ان کے قتل کا حکم آپ نے اس بنا پر دیا تھا کہ غزوہ احد میں انھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا، یعنی ان کے ناک کان وغیرہ کاٹے تھے... لیکن انھیں بھی معافی مل گئی اور یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔

صفوان بن امیہ کے بھی قتل کا حکم ہوا تھا، انھیں بھی معافی مل گئی اور یہ بھی مسلمان ہوگئے۔ کعب بن زہیر کو بھی معافی مل گئی۔ یہ اپنے اشعار میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو برا بھلا کہتے تھے۔ یہ بھی مسلمان ہوگئے۔

اسی طرح وحشی نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا... آنحضرت

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے بھی قتل کا حکم فرمایا تھا، لیکن یہ بھی مسلمان ہو گئے۔

پھر اس روز یعنی فتح مکّہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر جا بیٹھے اور لوگ گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے۔ تمام چھوٹے بڑے مرد حاضر ہوئے، عورتیں بھی آئیں۔ سب اپنے اسلام کا اعلان کرتے رہے۔

ایک اور صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب سے کانپنے لگے اور دہشت زدہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا:

''ڈرو نہیں! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں... بلکہ میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو معمولی کھانا کھایا کرتی تھی۔''

اس وقت جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہی اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی تھی۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنی والدہ سے کیا تو انھوں نے کہا:

''خبردار! اپنے والد کی خلاف ورزی نہ کرنا۔''

اس کے باوجود میں نے اسلام قبول کر لیا مگر اس کو چھپائے رہا، پھر کسی طرح میرے والد ابوسفیان کو پتا چل گیا... انھوں نے ناراضی کے انداز میں مجھ سے کہا:

'تمہارا بھائی تم سے کہیں بہتر ہے... کیونکہ وہ میرے دین پر قائم ہے۔'

پھر فتح مکّہ کے موقع پر میں نے اپنے دین کو ظاہر کر دیا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ملاقات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خوش آمدید کہا۔ پھر میں کاتب وحی بن گیا یعنی قرآن کی نازل ہونے والی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے لکھوا دیا کرتے تھے۔ اسی روز حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہوئیں۔ ان کے علاوہ بے شمار عورتیں اس روز اسلام

لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئیں... لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مصافحہ نہیں فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا۔ مطلب یہ کہ عورتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے پروردگار نے مجھ سے اسی فتح اور نصرت کا وعدہ فرمایا تھا۔''

خانہ کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کے پاس تھی۔ ان سے منگوا کر خانہ کعبہ کو کھولا گیا تھا۔ پھر دروازے پر تالا لگا دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی پھر عثمان بن طلحہ کو دے دی... اس وقت تک وہ اسلام نہ لائے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلوک دیکھ کر وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے بنی طلحہ! یہ چابی ہمیشہ کے لیے تمہارے خاندان کو دی گئی اور نسل در نسل یہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی۔''

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے، لیکن عثمان بن طلحہ بہت بگڑے تھے اور چابی دینے سے صاف انکار کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا بھی کہا تھا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''عثمان! عنقریب! ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا، یہ چابی اسے دوں گا۔''

اس پر عثمان بن طلحہ نے کہا تھا:

''کیا اس دن قریش ہلاک اور برباد ہو چکے ہوں گے؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:

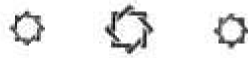
''نہیں بلکہ اس دن آباد اور سر بلند ہو جائیں گے۔''

حضرت عثمان بن طلحہ کو یہ تمام باتیں اس وقت یاد آ گئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چابی ان کے حوالے کی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عثمان! میں نے تم سے کہا تھا نا کہ ایک دن تم دیکھو گے، یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا یہ چابی اسے دوں گا۔''

یہ سن کر حضرت عثمانؓ بن طلحہ نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''



غزوہ حنین

پھر اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

''جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے، اس کو توڑ دے۔''

لوگ بتوں کو توڑنے لگے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ رضی اللہ عنہا جب مسلمان ہوگئیں تو اپنے گھر میں رکھے بت کی طرف بڑھیں اور لگیں اس کو ٹھوکریں مارنے، ساتھ میں کہتی جاتی تھیں:

''ہم لوگ تیری وجہ سے بہت دھوکے اور غرور میں تھے۔''

پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردونواح میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا... تاکہ ان علاقوں میں رکھے بتوں کو بھی توڑ دیا جائے۔ بعض علاقوں میں لوگوں نے باقاعدہ عبادت گاہیں بنا رکھی تھیں۔ ان میں بت رکھے گئے تھے... مشرکین ان بتوں اور عبادت خانوں کا اتنا ہی احترام کرتے تھے جتنا کہ کعبہ کا۔ وہ دن میں جانور بھی قربان کرتے تھے جس طرح کہ کعبہ میں کیے جاتے تھے، حد یہ کہ ان عبادت خانوں کا طواف بھی کیا جاتا تھا۔

غرض ہر خاندان کا الگ بت تھا۔

فتح مکہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس دن تک وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ قصر نمازیں پڑھتے رہے۔ اس دوران ایک عورت نے چوری کر لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس کی قوم کے لوگ جمع ہو کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اس عورت کی سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا، فرمایا:

''کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سفارش کرتے ہو؟''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمائیے۔''

آنحضرت اسی وقت کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر یہ خطبہ دیا:

''لوگو! تم سے پہلی قوموں کو صرف اسی بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں کوئی باعزت آدمی چوری کر لیتا تو اسے سزا نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اسے سزا دیتے تھے... قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے... اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظّمہ کا والی مقرر فرمایا۔ انھیں حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔ یہ پہلے امیر ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں جماعت سے نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑا... تاکہ وہ لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تعلیم دیں۔

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ دھوکے بازوں اور بے نمازوں پر بہت سخت تھے... وہ

لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جس کے بارے میں میں نے سنا کہ وہ بلا وجہ جماعت کی نماز چھوڑتا ہے، میں اسے قتل کردوں گا... ان کی اس سختی کو دیکھ کر مکہ کے لوگوں نے ان کی شکایت ان الفاظ میں کی:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے اللہ کے گھر والوں پر عتاب بن اسید جیسے دیہاتی اور اجڈ آدمی کو امیر مقرر کردیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عتاب جنت کے دروازے پر آئے اور بڑے زور سے زنجیر ہلائی۔ آخر دروازہ کھلا اور وہ اس میں داخل ہوگئے۔ ان کے ذریعے اللہ نے اسلام کو سر بلند فرمایا ہے، جو شخص مسلمانوں پر ظلم کرنا چاہتا ہے، عتاب اس کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔''

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا۔ حنین طائف کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اس غزوے کو غزوہ ہوازن اور غزوہ اوطاس بھی کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر مکہ فتح فرمادیا تو سبھی قبیلوں نے اطاعت قبول کرلی مگر قبیلہ بنی ہوازن اور بنی ثقیف نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ یہ دونوں قبیلے بہت سرکش اور مغرور تھے۔ اپنے غرور میں وہ کہنے لگے:

''خدا کی قسم! محمد کو اب تک ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگوں سے اچھی طرح واقف ہی نہیں تھے۔''

اب انھوں نے جنگ کی تیاری شروع کردی... انھوں نے مالک بن عوف نضیری کو اپنا سردار بنالیا۔ (یہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے) جب مالک بن عوف کو سب نے متفقہ طور پر تمام قبیلوں کا سردار بنالیا تو ہر طرف سے مختلف قبیلے بڑی تعداد میں آ آ کر لشکر میں شامل ہونے لگے۔

آخر مالک بن عوف نے اپنا یہ لشکر لے کر اوطاس کے مقام پر جا کر پڑاؤ ڈالا۔

ادھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبریں ملیں کہ بنی ہوازن نے ایک بڑا لشکر جمع کرلیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی حدود اسلمی کو ان کی جاسوسی کے لیے روانہ کیا اور رخصت کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

''ان کے لشکر میں شامل ہوجانا اور سننا کہ وہ کیا فیصلے کررہے ہیں؟''

چنانچہ وہ بنی ہوازن کے لشکر میں شامل ہوگئے... ان کی باتیں سنتے رہے، پھر واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری تفصیلات سنائیں۔ قبیلہ بنی ہوازن والے اپنے ساتھ اپنی عورتیں، بچے اور مال اور دولت بھی لے آئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا:

''انشاءاللہ! کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت بنے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہوازن سے مقابلے کے لیے بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں دو ہزار نوجوان مکہ معظمہ اور گردونواح کے تھے۔ باقی دس ہزار وہ صحابہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا تھا۔ جب اسلامی لشکر دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ مہاجرین اور انصار میں جھنڈے تقسیم فرمائے۔ مہاجرین کا پرچم آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ ایک پرچم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی عنایت فرمایا۔ انصار میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ایک پرچم اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہوئے تو دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ خود (لوہے کا ہیلمٹ) بھی پہن رکھا تھا... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھے۔

مشرکوں کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی اور انھوں نے اپنے لشکر کو پہاڑوں اور درّوں میں

چھپا رکھا تھا۔ جونہی اسلامی لشکر وادی میں داخل ہوا، مشرکین نے اچانک ان جگہوں سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور زبردست تیر اندازی شروع کر دی۔ یہ لوگ تھے بھی بہت ماہر تیر انداز... ان کا نشانہ بہت پختہ تھا۔ اس اچانک اور زبردست حملے سے مسلمان گھبرا گئے... ان کے پاؤں اکھڑ گئے... مشرکین کے ہزاروں تیر ایک ساتھ آ رہے تھے... بہت سے مسلمان منہ پھیر کر بھاگے... لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ جمے رہے... ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔

مسلمانوں کے لشکر میں اس روز دراصل مکہ کے کچھ مشرک بھی چلے آئے... یہ مالِ غنیمت کے لالچ میں آئے تھے... جب زبردست تیر اندازی ہوئی تو یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''بھئی موقع ہے میدان سے بھاگ نکلنے کا... اس طرح مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ یک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ انھیں بھاگتے دیکھ کر بعض ایسے مسلمان جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا یہ سمجھے کہ ان کے ساتھی مسلمان بھاگ رہے ہیں۔ ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی وہ بھی بھاگنے لگے، اس طرح ایک دوسرے کو بھاگتا دیکھ کر سب پریشان ہو گئے... لہٰذا باقیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس صرف چند صحابہ رہ گئے... ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، ان کے بیٹے حضرت فضل، ربیعہ بن حارث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہم شامل تھے... ان کے علاوہ نوے کے قریب اور صحابہ کرام تھے... گویا آپ کے آس پاس صرف سو کے قریب صحابہ رہ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرما رہے تھے:

''میں اللہ کا رسول ہوں! میں محمد بن عبداللہ ہوں! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''

اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عباس! لوگوں کو پکارو! اور کہو! اے گروہِ انصار! اے بیعتِ رضوان والو! اے مہاجرین۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز میں پکارے... مسلمانوں کو بلایا... جو مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے، انھوں نے کافروں پر زبردست حملہ کر دیا... ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور کافروں کی طرف پھینک دی، ساتھ ہی فرمایا:

''یہ چہرے بگڑ جائیں۔''

اس وقت تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ کی آواز سن کر بھاگتے ہوئے مسلمان بھی واپس پلٹ چکے تھے اور انھوں نے جم کر لڑنا شروع کر دیا تھا... اس طرح جنگ ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی... کنکریوں کی اس مٹھی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کافروں کی آنکھوں تک پہنچا دیا... یہ ان کی آنکھوں میں کیا گری کہ وہ بری طرح بدحواس ہو گئے... وہ بری طرح بھاگ نکلے۔ اس جنگ کے شروع ہونے سے پہلے لشکر کی تعداد دیکھ کر ایک صحابی نے یہ کہا تھا:

''اے اللہ کے رسول! آج ہماری تعداد اس قدر ہے کہ دشمن سے شکست نہیں کھا سکتے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی، یہ الفاظ بہت گراں محسوس ہوئے تھے... کیونکہ ان میں فخر اور غرور کی بو تھی... اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہ جملہ ناپسندیدہ تھا... شاید اسی لیے شروع میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی... لیکن پھر اللہ نے کرم فرمایا اور مسلمانوں کے قدم جم گئے... پھر جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو وہ بری طرح بھاگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''جو مشرک ہاتھ لگے، اسے قتل کر دیا جائے۔''



طائف کا محاصرہ

ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

"جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا ہے، اس کے ہتھیار وغیرہ اسی کے ہوں گے۔"

حنین کے میدان سے شکست کھا کر بنی ہوازن کے کچھ لوگ اوطاس کے مقام پر پہنچ گئے۔ انھوں نے وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر ان کی طرف روانہ فرمایا اور خود اپنے خیمے میں تشریف لے آئے۔

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ حنین میں میری پیشانی میں ایک تیر آ کر لگا... خون بہہ کر میرے سینے پر گرنے لگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میری پیشانی سے پیٹ تک پھیرا۔ خون اسی وقت بند ہو گیا اور میرے لیے دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا نشان میری پیشانی پر باقی رہ گیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں زخمی ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کے زخم پر لگایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ تکلیف اسی وقت جاتی رہی۔

حنین میں مشرکوں کی شکست کے بعد بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ وہ جان گئے تھے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے...

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''تمام قیدی اور مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔''

جب یہ مال اور قیدی جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیا... غزوہ طائف سے واپسی تک یہ سارا سامان وہیں رہا، یعنی اس کے بعد مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنی ہوازن اور اس کا سالار مالک بن عوف شکست کھانے کے بعد طائف پہنچ گئے ہیں۔ طائف اس وقت بھی ایک بڑا شہر تھا۔ ان لوگوں نے وہاں ایک قلعہ میں پناہ لے رکھی تھی۔

یہ اطلاع ملنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے ہر اول دستہ پہلے روانہ فرمایا۔ اس دستے کا سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ آخر یہ لشکر طائف پہنچ گیا اور اس قلعہ کے پاس جا ٹھہرا جس میں مالک بن عوف اور اس کا بچا کھچا لشکر پناہ لے چکا تھا۔ مشرکوں نے جونہی اسلامی لشکر کو دیکھا، انھوں نے قلعہ پر سے زبردست تیر اندازی کی... ان تیروں سے بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔ ایک تیر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لگا۔ ان کی آنکھ باہر نکل آئی۔ یہ اپنی آنکھ ہتھیلی پر رکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میری یہ آنکھ اللہ کے راستے میں جاتی رہی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم چاہو تو میں دعا کروں گا اور تمہاری یہ آنکھ واپس اپنی جگہ پر ٹھیک ہو جائے گی... اگر آنکھ نہ چاہو تو پھر بدلے میں جنت ملے گی۔''

اس پر انھوں نے فرمایا:

''مجھے تو جنت ہی عزیز ہے۔''

یہ کہا اور آنکھ پھینک دی...

غزوہ طائف میں جو لوگ تیروں سے زخمی ہوئے تھے، ان میں سے بارہ آدمی شہادت پا گئے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلعہ کے پاس سے ہٹ کر اس جگہ آ گئے جہاں اب مسجدِ طائف ہے۔

قلعہ کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور پکارے۔

''کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔''

ان کی للکار کے جواب میں کوئی مقابلے کے لیے نہ آیا۔ قلعہ کے اوپر سے عبد یالیل نے کہا:

''ہم میں سے کوئی شخص بھی قلعہ سے اتر کر تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ ہم قلعہ بند رہیں گے، ہمارے پاس کھانے پینے کا اتنا سامان ہے کہ ہمیں برسوں کافی ہو سکتا ہے... جب تک ہمارا غلہ ختم نہیں ہو جاتا، ہم باہر نہیں آئیں گے... تم اس وقت تک ٹھہر سکتے ہو تو ٹھہرے رہو۔''

محاصرے کو جب کئی دن گزر گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''آپ طائف والوں پر فیصلہ کن حملہ کیوں نہیں فرما رہے؟''

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ابھی مجھے طائف والوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم نہیں ملا... میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت اس شہر کو فتح نہیں کریں گے۔''

آخر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ملا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا حکم فرما دیا... لوگوں کو فتح کے بغیر واپس جانا اچھا نہ لگا... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناگواری بھانپ لی چنانچہ فرمایا:

''اچھا تو پھر حملے کی تیاری کرو۔''

لوگوں نے فوراً حملے کی تیاری کی اور قلعہ پر دھاوا بول دیا... ادھر سے تیر اندازی شروع ہوگئی... اس طرح بہت سے مسلمان زخمی ہوگئے۔اس کے بعد آپ نے پھر اعلان فرمایا:

''اب ہم ان شاء اللہ روانہ ہورہے ہیں۔''

اس مرتبہ یہ اعلان سن کر لوگ خوش ہوگئے... اور فرماں برداری کے ساتھ کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے... آپ کو ہنسی اس بات پر آئی کہ پہلے تو لڑنے پر تیار تھے اور واپس جانا برا محسوس کررہے تھے... اب کس قدر جلد اور خوشی سے واپس جانے کے لیے تیار ہوگئے۔

دراصل اب صحابہ کرام نے جان لیا تھا کہ اللہ کے رسول کی رائے ہی بالکل درست تھی۔ واپس روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس کا وعدہ سچا ہے۔اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی... اس اکیلے نے ''احزاب'' کو شکست دی۔'' (احزاب کا مطلب ہے وہ فوج جس میں بہت سے گروہ جمع ہوں۔)

کچھ آگے بڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں اور عبادت کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی اور اسی کی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔''

طائف وہ شہر تھا جہاں کے لوگوں نے ہجرت سے پہلے بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا تھا، لہولہان کردیا تھا مگر اس کے باوجود پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بددعا نہیں کی تھی اور اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے لوگوں کے لیے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! بنی ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور انھیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے پاس بھیج دے۔''

اس لڑائی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی زخمی

ہوئے تھے، اس زخم کے اثر سے وہ چند سال بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال کر گئے۔

واپسی کے سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر پہنچنے کے لیے نشیب میں اترے تو وہاں سراقہ بن مالک ملے۔ سراقہ وہ شخص ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انھوں نے انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا تھا، نزدیک پہنچنے پر ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، انھوں نے معافی مانگی تو گھوڑے کے پاؤں نکل آئے، یہ پھر قتل کے ارادے سے آگے بڑھے تو پھر گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے، تین بار ایسا ہوا، آخر انھیں عقل آ گئی اور سچے دل سے معافی مانگی... پھر واپس لوٹ گئے تھے، اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا:

"اے محمد! میں جانتا ہوں... ایک دن ساری دنیا میں آپ کا بول بالا ہونے والا ہے... آپ لوگوں کی جانوں کے مالک ہوں گے... اس لیے مجھے اپنی طرف سے ایک تحریر لکھ دیجیے تاکہ جب آپ کی حکومت کے دور میں آپ کے پاس آؤں تو آپ میرے ساتھ عزت سے پیش آئیں۔"

ان کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا ان کے غلام حضرت عامر بن ابی فہیرہ رضی اللہ عنہ سے تحریر لکھوا کر انھیں دی تھی... سراقہ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے ہی آئے تھے اور جعرانہ کے مقام پر یہ ملاقات ہوگئی... اسی مقام پر مسلمان غزوہ حنین کا مالِ غنیمت منتقل کر چکے تھے... سراقہ بن مالک اس وقت یہ پکار رہے تھے:

"میں سراقہ بن مالک ہوں... اور میرے پاس اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر موجود ہے۔"

اس کے الفاظ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آج وفا، محبت اور وعدے کا دن ہے، اسے میرے قریب لاؤ۔''

صحابۂ کرام نے سراقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لا کھڑا کیا... آپ ان سے بہت مہربانی سے پیش آئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مالِ غنیمت کا حساب لگوایا اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرمایا... حنین میں جو قیدی ہاتھ لگے، ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بنتِ حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ یعنی آپ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی تھیں اور بچپن میں آپ کی دودھ شریک بہن تھیں۔ جب یہ گرفتار ہوئی تھیں تو صحابہ سے کہنے لگیں کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں... لیکن انھوں نے شیما کی بات پر یقین نہیں کیا تھا... آخر انصار کی ایک جماعت انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئی۔ شیما جب آپ کے سامنے آئیں تو بولیں:

''اے محمد! میں آپ کی بہن ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''اس بات کا کیا ثبوت ہے۔''

جواب میں شیما بولیں:

''میرے انگوٹھے پر آپ کے کاٹے کا نشان ہے... جب میں نے آپ کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان کو پہچان لیا۔ پہچانتے ہی آپ کھڑے ہو گئے۔ ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور انھیں عزت سے بٹھایا۔ اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... اور فرمایا:

''تم جو کچھ مانگو گی، دیا جائے گا... جس بات کی سفارش کرو گی، قبول کی جائے گی۔''



غزوہ تبوک

اس پر شیما نے اپنی قوم کے قیدیوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی شیما کے حوالے کر دیے اور انھوں نے سب کو چھوڑ دیا۔ یہ حد درجے شریفانہ سلوک تھا، اس طرح شیما اپنی قوم کے لیے بے حد بابرکت ثابت ہوئیں... اس کے بعد بنی ہوازن کے دوسرے قیدیوں کو بھی رہائی مل گئی۔ مالک بن عوف جنگ کے میدان سے فرار ہو کر طائف چلے گئے تھے، جب کہ ان کے گھر والے قیدی بنا لیے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی رہا کر دیا۔ جب مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے گھرانے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کا پتا چلا تو وہ بھی طائف سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جعرانہ کے مقام پر تھے... انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنی ہوازن کے ان لوگوں کا امیر بنا دیا جو مسلمان ہو گئے تھے۔

جعرانہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکۂ معظمہ روانہ ہونے لگے تو عمرے کا احرام باندھ لیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر رات کے وقت مکۂ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل لبیک (یعنی تلبیہ) پڑھتے رہے۔ عمرے سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

27 ذی قعدہ کو مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے تمام قبائل پر اسلام کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

رجب 9 ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اطلاعات ملیں کہ رومیوں نے شام میں بہت زبردست لشکر جمع کرلیا ہے اور یہ کہ انھوں نے اپنے ہراول دستوں کو بلقاء کے مقام تک پھیلا دیا ہے... بلقاء ایک مشہور مقام تھا۔ ان اطلاعات کی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیاری کا حکم فرمایا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ کی تیاری کا حکم فرماتے تھے تو یہ نہیں بتاتے تھے کہ جانا کہاں ہے... مطلب یہ کہ اس بات کو خفیہ رکھتے تھے، لیکن غزوہ تبوک کی باری میں آپ نے معاملہ راز میں نہ رکھا، اس لیے کہ رومیوں کا لشکر بہت زیادہ فاصلے پر تھا... راستے کی تکالیف کا اندازہ کیے بغیر چل پڑنا مناسب نہیں تھا... اس کے علاوہ دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، اس لیے اس کے مطابق تیاری کرنے کی ضرورت تھی۔

غزوہ تبوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے میں تشریف نہ لے جا سکے۔ البتہ مہمات کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرماتے رہے۔

سامانِ جنگ اور ضرورت کی دوسری چیزوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کا اعلان فرمایا... اس اعلان کا سننا تھا کہ صحابہ کرام نے اپنا مال اور دولت پانی کی طرح خرچ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اس قدر دولت لٹائی کہ کوئی دوسرا شخص مقدار کے لحاظ سے ان کی برابری نہ کر سکا۔ انھوں نے نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے، دس ہزار دینار اور ان کے علاوہ بے شمار زادِ راہ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا حال دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں! تو بھی ان سے راضی ہو جا۔"

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی رات گئے تک ان کے لیے دعا

فرماتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے:

''آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

یہ الفاظ کہتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو الٹ پلٹ کو رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو دوسرے مال دار صحابہ تھے، انھوں نے بھی لشکر کی تیاری میں زبردست امداد دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو قربانی میں سب سے بڑھ گئے۔ وہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے... اس کی تعداد چار ہزار درہم کے برابر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں۔''

جواب میں انھوں نے عرض کیا:

''میں نے ان کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی بہت سا مال لائے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی بہت مال لائے۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار کر بھیجے۔ حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوروں کے دیے۔ ایک وسق اتنے وزن کو کہتے ہیں جتنا وزن ایک اونٹ پر لادا جاسکے... یہ وزن تقریباً پونے چار ٹن بنتا ہے۔

آخر کار جنگ کی تیاری مکمل ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔

اس لشکر میں کچھ منافقین بھی شامل ہوئے... ان میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی سلول بھی تھا... یہ مہم چونکہ بہت دشوار تھی... طویل فاصلے والی تھی، اس لیے اکثر منافقین تو شروع ہی سے ساتھ نہیں دیتے تھے، پھر جانے والوں میں سے بھی بہت سوں کی ہمتیں

جواب دے گئیں اور وہ کچھ ہی دور تک چلنے کے بعد واپس لوٹ گئے۔ اس طرح منافقوں کا پول کھل گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کے لیے کئی پرچم تیار کرائے تھے۔ سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پریشانی محسوس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت میرے لیے وہی ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام کی تھی، فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے... اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے... سوائے غزوہ تبوک کے اور کوئی غزوہ ایسا نہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوئے ہوں۔

اس سفر کے دوران تبوک کی طرف جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کھنڈرات کے پاس سے گزرے جو قومِ ثمود کا وطن تھا اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے عذاب سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس مقام سے گزرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا تھا اور سواری کی رفتار تیز کر دی تھی تا کہ جلد از جلد وہاں سے گزر جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

''ان کھنڈرات کے پاس سے روتے ہوئے گزرو، کہیں تم بھی اس بلا میں گرفتار نہ ہو جاؤ جس میں یہ قوم ہوئی تھی۔'' آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا: ''آج رات ان پر آندھی کا زبردست طوفان آئے گا۔ جس کے پاس اونٹ یا گھوڑا ہے، وہ اس کو باندھ کر رکھے۔''

ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''آج رات کوئی شخص تنہا اپنے پڑاؤ سے باہر نہ جائے بلکہ کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ ضرور رکھے۔''

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شخص کسی ضرورت سے تنہا باہر نکل گیا۔ نتیجہ یہ کہ اس کا دم گھٹ گیا۔ ایک دوسرا شخص اپنے اونٹ کی تلاش میں نکل گیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ہوا اسے اڑا لے گئی اور پہاڑوں پر جا پھینکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان دو واقعات کا علم ہوا تو فرمایا:

''کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ کوئی تنہا نہ جائے؟ باہر جانا پڑ جائے تو کسی کو ساتھ لے کر نکلے۔''

اس سفر کے دوران ایک روز پانی بالکل ختم ہوگیا۔ پیاس نے لوگوں کو پریشان کر دیا۔ آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ہاتھ اٹھائے رہے جب تک کہ بارش نہ ہوگئی۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہوگئے۔ لشکر نے اپنے برتن بھی بھر لیے۔

ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا... لشکر میں کچھ منافق رہ گئے تھے... وہ واپس نہیں گئے تھے... اس موقع پر وہ کہنے لگے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ نبی ہیں... اور یہ مسلمانوں کو آسمان کی خبریں سناتے ہیں، لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منافقین کی یہ باتیں فوراً ہی پہنچ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے ارشاد فرمایا۔

''مجھ تک کچھ لوگوں کی یہ بات پہنچی ہے، اللہ کی قسم! میں انھی باتوں کو جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتا دیتے ہیں... اور اونٹنی کے بارے میں مجھے ابھی اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ فلاں وادی میں ہے، اس کی مہار ایک درخت کی ٹہنی میں الجھ گئی ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ اور اونٹنی کو میرے پاس لے آؤ۔''

لوگ وہاں گئے تو اونٹنی کو اسی حالت میں پایا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تھا۔

سفر جاری تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا... جب اونٹ کسی طرح چلنے کے لیے تیار نہ ہوا تو تنگ آ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سامان اس پر سے اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا اور پیدل چل پڑے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی خبر دے چکے تھے کہ ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں... کیونکہ ان کا اونٹ تھک گیا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو... اگر ابوذر میں کوئی خیر ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تم تک پہنچا دے گا اور اگر خیر کے بجائے برائی ہے تو سمجھ لو... اللہ نے تمہیں اس سے امن دے دیا۔''

پھر لوگوں نے دور سے کسی کو آتے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوذر ہوں گے۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے، اکیلے ہی پیدل چلے آ رہے ہیں، اکیلے ہی مریں گے۔'' (یعنی ان کی موت ویرانے میں ہوگی) اور اکیلے ہی دوبارہ زندہ ہو کر قیامت میں اٹھیں گے۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ ربذہ کے ویران مقام پر چلے گئے تھے... وہیں ان کی موت واقع ہوئی تھی۔

آخر اسلامی لشکر نے تبوک کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔



تبوک سے واپسی

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ تبوک کے چشمے میں پانی بہت کم ہے۔ لشکر کی ضرورت اس سے پوری نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس میں سے اپنے دستِ مبارک میں پانی لیا اور اس کو منہ میں لے کر واپس چشمے کے دھانے پر کلی کر دی... چشمہ اسی وقت ابلنے لگا اور پورا بھر گیا۔ اس طرح سب نے پانی سے سیرابی حاصل کی۔ یہ علاقہ اس وقت بالکل بنجر تھا... اس موقع پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''اے معاذ! اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم دیکھو گے یہ علاقہ باغ و بہار بن جائے گا۔''

یعنی گرد و پیش کی یہ سرزمین باغات والی نظر آئے گی۔ مورخ علامہ ابن عبد البر اندلسی لکھتے ہیں کہ میں نے وہ علاقہ دیکھا تھا... تمام کا تمام باغات سے بھرا ہوا تھا۔

تبوک کے مقام تک پہنچنے سے ایک رات پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک رات سوئے تو صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ دیر سے کھلی، بیدار ہوئے تو سورج سوا نیزے کے قریب بلند ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو جاگ کر نگرانی کرنے اور فجر کے وقت اٹھانے کا حکم دیا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ اتفاق سے ان کی بھی آنکھ لگ گئی تھی، وہ بھی سوتے رہ گئے تھے۔ اس طرح نماز کا وقت نکل گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ ہمیں فجر کے وقت جگا دینا؟''

جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! جس چیز نے آپ کو غافل کر دیا، اسی نے مجھے غافل کر دیا۔'' یعنی مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے پڑاؤ اٹھانے کا حکم فرمایا اور اس کے بعد فجر کی نماز ادا کی گئی۔ یعنی یہ قضا نماز تھی۔

تبوک کے سفر کے دوران ایک جگہ پھر پانی ختم ہو گیا... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا:

''کہیں سے پانی تلاش کر کے لاؤ۔''

یہ دونوں حضرات وہاں سے چل کر راستے پر آ بیٹھے... جلد ہی انھوں نے دور سے ایک بوڑھی عورت کو آتے دیکھا... وہ اونٹ پر سوار تھی۔ اس نے پاؤں دونوں طرف لٹکا رکھے تھے اور مشکیزوں میں پانی بھر رکھا تھا۔ انھوں نے اس سے پانی مانگا۔ اس پر وہ بولی:

''میں اور میرے گھر والے تم سے زیادہ پانی کے ضرورت مند ہیں... میرے بچے یتیم ہیں۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''تم پانی سمیت ہمارے ساتھ رسول اللہ کے پاس چلو۔''

یہ سن کر وہ بولی:

''کون رسول اللہ! وہ جادوگر... جن کو بے دین کہا جاتا ہے... پھر تو یہی بہتر ہے کہ میں ان کے پاس نہ جاؤں۔''

اس کا جواب سن کر حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اسے زبردستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں اس بڑھیا

کو اس طرح لاتے دیکھا تو ان سے فرمایا:

''اسے چھوڑ دو۔''

پھر اس سے ارشاد فرمایا:

''کیا تم ہمیں اپنے پانی کو استعمال کرنے کی اجازت دوگی، تمہارا پانی جوں کا توں جتنا تم لے کر آئی ہو، اتنا ہی محفوظ رہے گا؟''

بڑھیا بولی: ''ٹھیک ہے۔''

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ایک برتن لے آؤ۔''

وہ برتن لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا مشکیزہ کھولا اور اس برتن میں تھوڑا سا پانی لیا... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس میں ڈالا... اور لوگوں سے فرمایا: ''میرے قریب آ جاؤ اور پانی لینا شروع کردو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا... پانی اس برتن میں چشمے کی طرح ابل رہا تھا... یوں لگتا تھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکل رہا ہو۔ سب اس برتن سے پانی لینے لگے... پینے لگے... اپنے جانوروں کو بھی پلانے لگے۔ پھر انھوں نے اپنے خالی برتن بھر لیے... یہاں تک کہ تمام جانور سیر ہو گئے... تمام برتن بھر گئے اور پانی اس برتن میں اسی طرح جوش مار رہا تھا... اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی واپس اس عورت کے مشکیزے میں ڈال دیا اور اس کا منہ بند کرنے کے بعد فرمایا:

''تم لوگوں کے پاس جو کچھ ہو، لے آؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا بچھا دیا... صحابہ کرام اس کے لیے گوشت اور کھجور وغیرہ لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب اسے دے کر فرمایا:

''ہم نے تمہارے پانی میں سے کچھ نہیں لیا... یہ چیزیں لے جاؤ... اپنے یتیم بچوں کو کھلا دینا۔''

عورت حیرت زدہ تھی... اس نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، ایسا منظر اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا... جب یہ اپنے گھر پہنچی تو گھر والوں نے کہا کہ تم نے بہت دیر لگا دی۔ اس پر اس نے سارا واقعہ سنایا... اس بستی کے لوگوں کو بھی اس واقعہ کا علم ہو گیا۔ آخر یہ بڑھیا بستی کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے اور اس کے قبیلے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کلمہ پڑھا۔

غزوہ تبوک میں ایک موقع پر کھانے کا سامان ختم ہو گیا۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ ایک کھجور مل جاتی تو ایک پوری جماعت اس کو لے کر بیٹھ جاتی... پھر سب لوگ باری باری اسے چوستے... اور دوسروں کی طرف بڑھا دیتے۔ آخر لوگوں نے عرض کیا:

''اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے کھالیں۔''

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! اگر آپ نے یہ اجازت دے دی تو سواری کے جانور ختم ہو جائیں گے... آپ ان سے فرمایئے کہ جس کے پاس بھی کوئی بچی ہوئی چیز ہو، وہ لے آئے... پھر آپ اس خوراک میں برکت کی دعا کریں۔''

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک کپڑا بچھایا گیا... جس کے پاس کوئی چیز تھی، وہ لے آیا... جب سب چیزیں کپڑے پر جمع ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں برکت کی دعا کی اور فرمایا:

''اب تم لوگ اپنے اپنے برتن اس خوراک سے بھر لو۔''

سب اپنے برتن بھرنے لگے۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا بھی اور برتن بھی بھرے، پورے لشکر میں کوئی برتن ایسا نہ رہا جو بھر نہ لیا گیا ہو۔

تبوک کے مقام پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس پندرہ دن ٹھہرے۔ رومی چونکہ اسلامی لشکر سے خوف زدہ ہو گئے تھے، اس لیے مقابلے پر نہ آئے... اور اس طرح

تبوک کے مقام پر جنگ نہ ہو سکی...

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر نمازیں پڑھتے رہے یعنی مسافر کی نماز، جس میں ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نمازوں میں چار چار رکعت کی بجائے دو دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔

آخر تبوک سے واپسی کا سفر شروع ہوا... راستے میں چند منافقوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھائی میں دھکا دے کر قتل کرنے کی سازش تیار کی، لیکن ان کی سازش کی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے خبر دے دی... اس طرح ان کی سازش ناکام ہوئی...۔

مدینہ منورہ کا سفر ابھی ایک دن کا باقی تھا اور اسلامی لشکر ذی اوان کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ مسجد ضرار کو گرا دیں... یہ مسجد منافقوں نے بنائی تھی... وہ اس مسجد کو اپنی سازشوں کا مرکز بنانا چاہتے تھے... جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لیے روانہ ہوئے تھے اور اس مسجد کے پاس سے گزرے تھے، تب ان منافقوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد میں دو رکعت ادا کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ واپسی پر پڑھوں گا... لیکن واپسی پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش سے باخبر کر دیا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا:

''اس مسجد میں جاؤ اور جن لوگوں نے وہ مسجد بنائی ہے، ان کی آنکھوں کے سامنے اس کو آگ لگا کر گرا دو... اس مسجد کو بنانے والے بڑے ظالم لوگ ہیں۔''

چنانچہ صحابہ نے حکم کی تعمیل کی... مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں ایسا کیا گیا۔ مسجد کو بالکل زمین کے برابر کر دیا گیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو فرمایا:

''یہ شہر پاکیزہ اور پرسکون ہے۔ میرے پروردگار نے اس کو آباد کیا ہے۔ یہ شہر اپنے

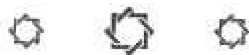
باشندوں کے میل کچیل کو اسی طرح نکال دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر کے صاف کر دیتی ہے۔''

پھر احد کے پہاڑ کے لیے فرمایا:

''یہ احد کا پہاڑ ہے، یہ پہاڑ ہم سے بہت محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اس سفر میں جانے سے کچھ لوگوں نے جی چرایا تھا... مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔

''جب تک میں حکم نہ دوں، تم اس وقت تک ان لوگوں سے نہ بولنا، نہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔''



واقعۂ رجیع اور بئرِ معونہ

یہ حکم ملنے پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے بات چیت بند کردی۔ صحابہ کرام نے تو یہاں تک کیا کہ اگر ان لوگوں میں کسی کا باپ اور بھائی بھی تھا تو اس نے اس سے بھی بات چیت ترک کردی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لیے روانہ ہوئے تھے، اس وقت منافقوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ ہی میں رہ گئی تھی۔ ان کی تعداد 80 کے قریب تھی۔ انھوں نے جہاد پر نہ جانے کے لیے مختلف حیلے بہانے کیے تھے... لیکن ان کے علاوہ تین مسلمان ایسے تھے جو صرف سستی کی وجہ سے نہیں گئے تھے، یہ حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات سے مسلمانوں نے بات چیت ترک کردی۔ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اپنا عذر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تم لوگ جاؤ! اللہ تمہارے حق میں فیصلہ فرمائیں گے۔''

چند دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی بیویوں سے بھی الگ رہنے کا حکم فرمادیا... انھوں نے بیویوں کو اپنے ماں باپ کے گھر بھیج دیا... البتہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ

عنہ بوڑھے تھے۔ ان کے بڑھاپے کی وجہ سے انھیں اتنی اجازت دی گئی کہ بیوی گھر میں رہ کر خدمت کر سکتی ہے... لیکن رہیں گے الگ الگ۔

اس طرح پچاس دن گزر گئے۔ سب لوگ ان تین حضرات سے بات چیت چھوڑ چکے تھے۔ پچاس دن بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ لوگوں نے انھیں مبارک باد دی... تینوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں مبارک باد دی... ان حضرات نے اس خوشی میں اپنا بہت سا مال صدقہ کیا۔

غزوہ تبوک کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی جنگ میں خود حصہ نہیں لیا۔ البتہ صحابہ کرام کو مختلف مہمات پر آپ روانہ فرماتے رہے۔ جن مہمات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود حصہ نہیں لیا، ان مہمات کو سرایا کہا جاتا ہے۔ سرایا، سریّہ کی جمع ہے... ایسے سرایا غزوہ تبوک سے پہلے بھی ہوئے اور بعد میں بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں 47 مرتبہ کے قریب صحابہ کرام کو سرایا کے لیے روانہ فرمایا۔ ان میں سے واقعہ رجیع اور واقعہ بئرِ معونہ بہت دردناک اور مشہور ہیں۔ پہلے واقعہ رجیع کی تفصیلات پڑھیے۔

قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کا ایک گروہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقے میں دین سکھانے کے لیے اپنے کچھ صحابہ کو بھیج دیجیے۔“

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے چھ صحابہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مرثد بن ابومرثد غنوی، خالد بن بکیر لیثی، عاصم بن ثابت بن ابوالافلح، خبیب بن عدی، زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثد بن ابومرثد کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ آخر یہ لوگ رجیع کے مقام پر پہنچے۔ رجیع حجاز کے ایک ضلع میں واقع تھا۔

یہاں پہنچ کر قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے قبیلہ ہذیل کو آواز دی، قبیلہ ہذیل کے

لوگ فوراً آ گئے... گویا سازش پہلے ہی تیار کر لی گئی تھی... یہ لوگ انھیں سازش کے تحت لائے تھے... قبیلہ ہذیل کے لوگوں کی تعداد سو کے قریب تھی۔

ان لوگوں نے ان صحابہ کو گھیر لیا... انھوں نے بھی تلواریں سونت لیں... اس طرح جنگ شروع ہوگئی... اس جنگ کے نتیجے میں حضرت مرثد، خالد بن بکیر، حضرت عاصم اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے۔ زید بن دثنہ اور خبیب بن عدی رضی اللہ عنہما گرفتار ہوگئے۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا۔ اس کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے انھیں ان لوگوں سے خرید لیا اور قتل کروادیا۔ رہ گئے خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، انھیں مکہ سے باہر تنعیم کے مقام پر لایا گیا... تاکہ انھیں پھانسی پر لٹکا دیں۔ اس وقت حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''مناسب سمجھو تو قتل کرنے سے پہلے مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔''

انھوں نے اجازت دے دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت بہت اچھی طرح اطمینان اور سکون سے پڑھیں۔ پھر ان لوگوں سے فرمایا:

''میرا جی چاہتا تھا، یہ دو رکعت زیادہ لمبی پڑھوں... لیکن تم خیال کرتے کہ میں موت کے خوف سے نماز لمبی کر رہا ہوں۔''

تاریخ اسلام میں قتل سے پہلے دو رکعت نماز سب سے پہلے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ ہی نے ادا کی۔ اس کے بعد آپ کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کیا گیا اور اچھی طرح باندھا گیا۔ اس وقت انھوں نے فرمایا:

''اے اللہ! میں نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا، پس تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر پہنچا دے کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔''

اس کے بعد یہ دعا پڑھی:

''اے اللہ! ان کفار کو گن لے، اور انھیں الگ الگ کر کے قتل کر اور ان میں سے ایک کو

بھی نہ چھوڑ۔''

اس کے بعد کفار نے انھیں شہید کر دیا۔

قریش مکہ کی ایک عورت سلافہ کے دو بیٹے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔اس نے منت مانی تھی کہ کوئی مجھے عاصم رضی اللہ عنہ کا سر لا کر دے گا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیوں گی... حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اس کی اس منت کا پتا تھا، چنانچہ شہید ہونے سے پہلے انھوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ میری لاش ان کے ہاتھ نہ لگے... چنانچہ جب انھیں شہید کر دیا گیا اور وہ لوگ لاش کو اٹھانے کے لیے بڑھے تو ان پر شہد کی مکھیوں نے حملہ کر دیا... وہ بھاگ کھڑے ہوئے، پھر انھوں نے فیصلہ کیا کہ رات کے وقت لاش اٹھالیں گے، رات کو تو شہد کی مکھیاں نہیں ہوں گی... لیکن رات کو اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایک ریلہ بھیجا جو لاش کو بہا لے گیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی دعا بھی پوری ہوگئی... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھی یہ خبر سنائی۔

واقعہ رجیع کے دنوں ہی میں بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا۔اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ بنی عامر کا سردار ابو عامر آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔اسلام قبول کرنے کی بجائے اس نے کہا:

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا پیغام نہایت شریفانہ اور اچھا ہے۔بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو نجد والوں کی طرف بھیج دیں... وہاں قبیلہ بنی عامر اور بنی سلیم آباد ہیں، وہ وہاں دین کی دعوت دیں، مجھے امید ہے کہ نجد کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کریں گے۔''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے نجد والوں کی طرف سے اندیشہ ہے... کہیں وہ میرے صحابہ کو نقصان نہ

پہنچائیں۔''

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمائی کہ ابو عامر کا چچا عامر بن طفیل اسلام کا بدترین دشمن تھا اور وہاں کے لوگ بھی سخت مخالف تھے۔آپ کی بات سن کر ابو عامر نے کہا:

''آپ کے صحابہ میری پناہ میں ہوں گے، میری ذمے داری میں ہوں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ کرلیا... وعدہ لے کر ابو عامر چلا گیا۔آپ نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو چالیس یا ستّر آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔

یہ سب کے سب نہایت عابد اور زاہد صحابہ تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خط بھی لکھ کر دیا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بئر معونہ پر جا ٹھہرے۔بئر معونہ بنی عامر اور بنی سلیم کی سرزمین کے درمیان میں تھا۔بئر کنویں کو کہتے ہیں۔یعنی معونہ کا کنواں۔اس علاقے کو حرہ کہا جاتا ہے۔یہاں سیاہ پتھر کثرت سے تھے۔

یہاں پہنچ کر ان حضرات نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔

حضرت حرام رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اسے دیا۔اس نے خط پڑھنا بھی گوارا نہ کیا۔ادھر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے خط دیتے وقت ان سے کہا:

''اے لوگو! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں، اس لیے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔''

ابھی وہ یہ الفاظ کہہ رہے تھے کہ عامر بن طفیل نے ایک شخص کو اشارہ کیا... وہ ان کے پیچھے آیا اور پہلو میں نیزہ دے مارا۔نیزہ ان کے جسم کے آرپار ہوگیا۔فوراً ہی ان کے منہ سے نکلا:

''اللہ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔''

انھیں شہید کرانے کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے لوگوں سے کہا:

''اب اس کے باقی ساتھیوں کو بھی قتل کر دو۔''

انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا... کیونکہ انھیں یہ بات معلوم تھی کہ یہ آنے والے حضرات ابو عامر کی پناہ میں ہیں۔ان کی طرف سے انکار سن کر عامر بن طفیل نے بنی سلیم کو پکارا۔اس کی پکار پر قبیلہ عصب، رعل اور ذکوان کے لوگ فوراً آ گئے۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کی طرف بڑھے اور انھیں گھیر لیا۔مسلمانوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو فوراً تلواریں سونت لیں... جنگ شروع ہوگئی... آخر لڑتے لڑتے یہ صحابہ کرام شہید ہوگئے۔ان میں صرف کعب بن زید رضی اللہ عنہ زندہ بچ گئے، وہ شدید زخمی تھے۔کفار نے انھیں مردہ خیال کیا...بعد میں انھیں میدانِ جنگ سے اٹھایا گیا تھا...اور یہ ان زخموں سے تندرست ہوگئے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ایک اور صحابی بھی اس لڑائی میں زندہ بچ گئے... جب مشرکوں نے مسلمانوں کو گھیرے میں لیا تھا تو یہ دونوں اس وقت اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ جب ادھر ان صحابہ کو شہید کیا جا رہا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

گھیرے میں آنے کے بعد مسلمانوں نے یہ دعا کی تھی:

''اے اللہ! ہمارے پاس تیرے سوا ایسا کوئی ذریعہ نہیں کہ جو ہماری طرف سے تیرے رسول کو یہ خبر پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی... حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے کے دوران ہی یہ خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنائی۔

''تمہارے بھائی مشرکوں سے دوچار ہوگئے۔مشرکوں نے انھیں شہید کر دیا ہے۔''

ادھر عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے پڑاؤ کی طرف مردار خور پرندوں کو منڈلاتے دیکھا تو پریشان ہوگئے، سمجھ

گئے کہ کوئی خاص واقعہ پیش آ گیا ہے۔ چنانچہ یہ فوراً اپنے ساتھیوں کی طرف روانہ ہوئے... اس وقت تک صحابہ کرام کے قاتل وہیں موجود تھے۔



فرمانرواؤں کو دعوتی خطوط

یہ ہولناک منظر دیکھ کر حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی نے پوچھا:

''اب کیا رائے ہے؟''

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بولے:

''میری رائے یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جائیں اور اس سانحے کی خبر دیں۔''

اس پر ان کے ساتھی نے فرمایا:

''مگر جس جگہ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسا آدمی شہید ہو چکا ہے، میں وہاں سے اپنی جان بچا کر نہیں جاؤں گا۔''

''اچھی بات ہے... میں بھی تیار ہوں۔''

اب دونوں نے تلواریں سونت لیں۔ دشمن کو للکارا اور ان سے جنگ شروع کر دی... آخر کار حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہو گئے جب کہ ان کے ساتھی صحابی شہید ہو گئے۔ عامر بن طفیل کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی... اس نے اپنی ماں کی منت پوری کرنے کی خاطر عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بہت رنج ہوا۔ سارے صحابہ غمگین ہو گئے۔

اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عامر بن طفیل کے لیے بددعا کی۔ اس بددعا کے نتیجے میں وہ طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔

بئر معونہ کی لڑائی کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب یہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعش کو اوپر اٹھا لیا۔ ان کی لاش پھر زمین پر اتار دی گئی۔ انھیں قتل ہونے والوں میں تلاش کیا گیا، لیکن ان کی لاش نہ ملی... یہ بات سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''عامر بن فہیرہ کی لاش کو فرشتوں نے دفن کیا ہے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس واقعہ سے اتنا صدمہ ہوا تھا کہ مسلسل ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت نازلہ پڑھتے رہے اور بئر معونہ پر شہید کیے جانے والے صحابہ کے قاتلوں کے حق میں بددعا کرتے رہے۔ اسی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم واقعۂ رجیع کے قاتلوں کے حق میں بھی بددعا فرماتے رہے۔

غزوہ تبوک کے بعد سرایا بھیجے جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ہر طرف سے وفد آنے لگے۔ یعنی لوگ وفدوں کی شکل میں آ آ کر اسلام قبول کرنے لگے۔ ایک روز بنی حنیفہ کا وفد آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ ان لوگوں نے اس شخص کو کپڑوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی۔ ٹہنی کے سرے پر کچھ پتے بھی تھے۔ مسیلمہ نے آپ کے نزدیک آ کر کہا۔

''آپ مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیجیے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی اس بے ہودہ بات کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اگر تو مجھ سے یہ ٹہنی مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہیں دے سکتا۔''

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی آمد سے پہلے یہ صحابہ کرام سے فرما چکے تھے کہ میں نے

دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہی میں مجھے وحی فرمائی کہ ان پر پھونک ماریں۔ میں نے پھونک ماری تو دونوں کنگن اڑ گئے۔ اس سے میں نے یہ تعبیر لی کہ دو کذاب یعنی جھوٹے نبی ظاہر ہونے والے ہیں۔

یہ دو جھوٹے طلیحہ اور مسیلمہ تھے۔ طلیحہ تو یمن کے شہر صنعا کا رہنے والا تھا اور مسیلمہ یمامہ کا۔ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیٔ مبارک ہی میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا۔

اس وقت یہی مسیلمہ آیا تھا۔ واپس اپنے لوگوں میں جا کر اس نے یہ بات اڑا دی کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے اپنی نبوت میں حصے دار بنالیا ہے۔ پھر یہ قرآنِ کریم کی آیات کی نقالی میں... اوٹ پٹانگ قسم کے عربی جملے بولنے لگا... اور لوگوں سے کہنے لگا کہ مجھ پر یہ وحی آئی ہے... اپنی الٹی سیدھی کرامات دکھانے لگا... فرضی معجزات دکھانے لگا... اس طرح لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس روسیاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط بھی لکھا تھا... اس میں لکھا:

''مجھے آپ کی نبوت میں شریک کرلیا گیا ہے... ہم دونوں آدھے آدھے کے مالک ہیں مگر قریش کے لوگ انصاف پسند نہیں ہیں۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے جواب میں یہ خط لکھوایا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت اور سیدھے راستے کی پیروی کی۔ اما بعد! یہ روئے زمین اللہ کی مِلک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جسے چاہے، اس کا وارث بنادے۔ درحقیقت بہتر انجام تو اللہ سے ڈرنے والوں کا ہی ہوتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط دو قاصدوں کے ذریعے بھیجا۔ اس نے خط پڑھ کر ان دونوں سے کہا:

''کیا تم بھی وہی بات کہتے ہو جو انھوں نے لکھا ہے؟''

جواب میں دونوں قاصدوں نے فرمایا:

''ہاں! ہم بھی یہی کہتے ہیں۔''

اس پر اس نے کہا:

''اگر قاصدوں کو قتل کرنا دستور کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں مار دیتا۔''

اس جھوٹے کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ کو جنگِ یمامہ کہتے ہیں۔ اس میں مسیلمہ کذاب حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کے ہاتھوں غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے... بعد میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بادشاہوں کے نام خطوط بھی لکھوائے اور ان خطوط میں، ان بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی۔ روم کے بادشاہ ہرقل کو بھی خط لکھوایا، یہ خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ روم کے بادشاہ خود کو قیصر کہلواتے تھے۔ قیصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا احترام کیا... لیکن ایمان لانا اس کے مقدر میں نہیں تھا۔ اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران کے بادشاہ کسریٰ پرویز کے نام خط لکھوایا۔ یہ خط عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ اس نے خط سننے سے پہلے ہی اسے چاک کرنے کا حکم دیا۔ اس کے حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پھاڑ کر دیا گیا۔ اس نے اپنے دربار سے قاصد کو بھی نکال دیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر بیٹھے اور واپس روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر انھوں نے ساری تفصیل سنا دی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کسریٰ کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔''

ادھر کسریٰ پرویز نے اپنے یمن کے حاکم کو لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تم فوراً اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔''

یمن کے گورنر باذان نے دو آدمی بھیج دیے۔ دونوں مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حلیے دیکھ کر فرمایا:

''تمہارا برا ہو! یہ تم نے اپنے چہرے کیسے بنا رکھے ہیں۔ تمہیں ایسا حلیہ اختیار کرنے کا حکم کس نے دیا؟''

جواب میں وہ بولے:

''ہمارے پروردگار کسریٰ نے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

''مگر میرے پروردگار نے مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کا حکم دیا ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اب جاؤ اور کل میرے پاس آنا۔''

دونوں چلے گئے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے کو مسلط کر دیا ہے، وہ فلاں مہینے اور فلاں دن اسے قتل کر دے گا۔

اس وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا اور یہ اطلاع انھیں دی۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کے نام خط لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ کسریٰ کو فلاں مہینے اور فلاں دن قتل کر دے گا۔

باذان کو یہ خط ملا تو اس نے سوچا، اگر وہ نبی ہیں تو جیسا انھوں نے لکھا ہے، ویسا ہی ہوگا۔

چنانچہ اسی طرح ہوا... اس کے بیٹے شیرویہ نے اسی دن اسے قتل کر دیا جس کی پیش گوئی ہو چکی تھی۔ باذان کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیجا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبشہ نجاشی کے نام بھی خط لکھوایا۔ نجاشی کے پاس جب یہ خط پہنچا تو انہوں نے اس مکتوبِ مبارک کو آنکھوں سے لگایا، تخت سے اتر کر زمین پر آبیٹھے اور اسلام قبول کیا۔ پھر ہاتھی دانت کی صندوقچی منگوا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک اس میں ادب سے رکھا۔ اس خط کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام ایک دوسرا خط بھی لکھوایا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا کہ نجاشی حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کر دیں۔

نجاشی نے اس خط کو بھی چوما، آنکھوں سے لگایا اور حکم کی تعمیل کی اور حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھایا۔ یہ دونوں خط حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔



حجۃ الوداع کے لیے روانگی

10 ھ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حج کا ارادہ فرمایا۔اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم 24 ذی قعدہ 10 ھ جمعرات کے دن مدینہ منورہ سے حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے۔ روانگی دن کے وقت ہوئی۔ روانہ ہونے سے پہلے بالوں میں کنگھا کیا، سرمبارک میں تیل بھی لگایا، مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں ادا فرمائی۔

اس سفر میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ان کی تعداد اس وقت نو تھی۔انھوں نے اونٹوں پر ہودجوں میں سفر کیا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے۔ یہ اونٹنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اٹھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت احرام میں تھے۔قصویٰ پر اس وقت ایک پرانا کجاوہ تھا جو چار درہم قیمت کا رہا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر چادر بھی معمولی سی کی تھی۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

ترجمہ: ''اے اللہ! اس حج کو مقبول بنادے اور ایسا بنادے جس میں نہ تو ریا کاری اور دھوکا ہو اور نہ دکھاوا اور ظاہرداری ہو۔''

سفر کے دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا:

”آپ اپنے صحابہ کو حکم دیں کہ تلبیہ میں اپنی آواز بلند کریں۔ یہ حج کا شعار ہے۔“

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایسا کرنے کا حکم فرمایا۔ انھوں نے بلند آواز میں تلبیہ شروع کر دیا۔ راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی طویٰ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ رات وہیں قیام فرمایا۔ صبح کی نماز پڑھ کر وہاں سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مکہ کے سامنے پہنچ گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ پھر دن میں چاشت کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، بابِ عبد مناف سے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ یہ دروازہ اب باب السلام کے نام سے مشہور ہے۔ بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دعا فرمائی:

ترجمہ: ”اے اللہ! تو خود سلامتی والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی آتی ہے۔ پس اے ہمارے پروردگار تو ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ اور اس گھر کی عزت اور دبدبے میں اضافہ ہی اضافہ فرما۔“

پھر بیت اللہ کے گرد طواف کیا، سات چکر لگائے، طواف کی ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود سے کی۔ پہلے اس کے پاس گئے اور اس کو چھوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمَل فرمایا یعنی سینہ تان کر تیز رفتار سے چکر لگائے، باقی چار چکر معمول کی رفتار سے لگائے، طواف سے فارغ ہونے کے بعد حجرِ اسود کو بوسہ دیا، اپنے دونوں ہاتھ اس پر رکھے اور ان کو چہرۂ مبارک پر پھیرا۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی پھر آبِ زم زم نوش فرمایا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی کی طرف چلے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

ترجمہ: ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔“ (سورۃ البقرہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ یہ دو پہاڑیاں ہیں، ان کے درمیان چکر لگانے کو سعی کرنا کہتے ہیں۔ پہلے تین پھیروں میں آپ تیز تیز اور باقی چار میں عام رفتار سے چلے، جب صفا پر چڑھتے اور کعبہ کی طرف منہ کر لیتے تو اس وقت اللہ کی توحید یوں بیان فرماتے:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنِ تنہا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اپنے بندوں کی مدد کی اور اس نے تنِ تنہا متحدہ لشکروں کو شکست دی۔''

مروہ پر پہنچ کر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان لوگوں کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے۔ جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، انھیں حکم فرمایا کہ وہ احرام برقرار رکھیں۔

8 ذی الحجہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے لیے روانہ ہوئے۔ منیٰ کی طرف روانگی سے پہلے ان تمام لوگوں نے احرام باندھ لیے جو پہلے احرام کھول چکے تھے۔ منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، رات وہیں گزاری۔ وہ جمعہ کی رات تھی۔ صبح کی نماز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں پڑھی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد وہاں سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میرے لیے اونٹ کے بالوں کا ایک قبّہ بنا دیا جائے۔ میدانِ عرفات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قبّے میں ٹھہرے یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ کو لانے کا حکم فرمایا۔ قصویٰ پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے اندر پہنچے اور اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے ہی مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''لوگو! میری بات سنو۔ دیکھو، میں جانتا نہیں کہ اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے

کبھی ملوں گا یا نہیں۔ لوگو! سن لو، تمہارے خون (یعنی تمہاری جانیں) اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک (یعنی زندگی بھر) اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح تمہارے لیے یہ دن اور یہ مہینا قابل احترام ہے۔ دیکھو تم (مرنے کے بعد) عنقریب اپنے رب سے ملو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا اور میں (ہر عمل کے متعلق) تمام احکام تمہیں پہنچا چکا ہوں، پس جس کے پاس (کسی کی) امانت ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس امانت کو مانگنے پر اسی شخص کے حوالے کر دے جس نے امانت دار سمجھ کر امانت رکھوائی تھی۔

دیکھو، ہر قسم کا سود (جو کسی کا کسی کے ذمّے تھا) ساقط کر دیا گیا، البتہ تمہارا اصل مال تمہارے لیے حلال ہے۔ نہ تم زیادتی کرو گے اور نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اب کوئی سود جائز نہیں اور عباس بن عبدالمطلب کا سارا سود ساقط کر دیا گیا۔ اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جو بھی قتل کا مقدمہ تھا، وہ بھی ختم کر دیا گیا (اب اس کا انتقام نہ لیا جائے گا) اور سب سے پہلے جو قتل کا بدلہ میں ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا قتل ہے اور ابن ربیعہ نے بنولیث میں دودھ پیا تھا، ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ پس یہ پہلا قتل ہے جس سے میں معافی کی ابتداء کر رہا ہوں۔

لوگو! غور سے سنو، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب اس سر زمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی، لیکن اگر اس کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے ان گناہوں سے جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو، راضی ہو جائے گا۔ اس لیے تم لوگ دین کے معاملے میں شیطان سے بچتے اور ڈرتے رہو۔

لوگو! غور سے سنو! تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تم پر ان عورتوں کا حق ہے۔ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کرتے رہو کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔ لوگو! میری بات سمجھنے کی کوشش

کرو، میں نے تو (ہر حکم) پہنچا دیا اور تمہارے اندر وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا، تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ کھلی ہوئی چیز ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

لوگو! میری بات سن کر غور کرو، خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہذا کسی بھی آدمی کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز (بلا اجازت) حلال نہیں، ہاں مگر اس وقت جب وہ دل کی خوشی سے کوئی چیز خود دے دے۔ پس تم لوگ اپنے آپ پر کسی بھی حالت میں ظلم نہ کرنا۔ لوگو! بتاؤ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟''

لوگوں نے جواب میں کہا ''یقیناً یقیناً۔'' اس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آسمان کی طرف رخ کیا اور شہادت کی انگلی اٹھا کر فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ. (اے اللہ آپ گواہ رہیے گا، اے اللہ آپ گواہ رہیے گا، اے اللہ آپ گواہ رہیے گا)۔''

خطبے سے فارغ ہو کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد ظہر کی تکبیر کہی گئی اور نماز ادا کی گئی۔ پھر عصر کی نماز کے لیے تکبیر کہی گئی اور نماز ادا کی گئی۔ یعنی دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا کی گئیں۔ دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک کہی گئی، تکبیریں الگ الگ ہوئیں۔

عرفات میں ایک جماعت خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے پوچھا:

''حج کس طرح کیا جاتا ہے؟''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''حج دراصل وقوفِ عرفات کا نام ہے، یعنی عرفات میں ٹھہرنا حج کرنا ہے۔ عرفات کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر الحرام یعنی مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اطمینان سے چلنے کا حکم فرماتے رہے۔ اس طرح مزدلفہ پہنچے۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا فرمائیں۔ یہ دونوں نمازیں عشاء کے وقت پڑھی گئیں۔ عورتوں اور بچوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ آدھی رات کے ایک گھنٹے بعد ہی مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو جائیں تاکہ وہاں ہجوم ہونے سے پہلے شیطان کو کنکریاں مار سکیں۔

فجر کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں منہ اندھیرے ہی نماز پڑھائی۔ پھر سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں ماریں۔ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے عمل کو رمی کہتے ہیں۔ یہ کنکریاں مزدلفہ سے چن لی جاتی ہیں۔ ہر کنکری مارتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر فرماتے رہے۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کپڑے سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطبہ دیا۔ اس میں ایک دوسرے کے مال اور عزت کو حرام قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو حرمت کا دن قرار دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت اور ناموس تمہارے درمیان ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن تمہارے لیے حرمت کا دن ہے جس طرح اس شہر کی حرمت ہے اور جس طرح اس مہینے کی حرمت ہے۔''

یہ الفاظ کئی بار فرمائے... آخر میں دریافت فرمایا:

''اے لوگو! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔'' لوگوں نے اقرار کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب تم میں سے جو موجود ہے، وہ غائب تک یہ تبلیغ پہنچا دے... میرے بعد تم کفر کی تاریکیوں میں نہ لوٹ جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سے یہ بھی فرمایا کہ وہ مجھ سے حج کے مناسک (ارکان) سیکھ لو۔ کیونکہ ممکن ہے اس سال کے بعد مجھے حج کا موقع نہ ملے۔

(اور ایسا ہی ہوا... کیونکہ اس حج کے صرف تین ماہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تھی۔)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں قربانی کی جگہ تشریف لائے اور 63 اونٹ قربان فرمائے۔ یہ سب جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہی سے لائے تھے اور اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے۔ گویا اپنی عمر کے ہر سال کے بدلے ایک جانور قربان فرمایا۔

قربانی کے گوشت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ گوشت پکایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔ باقی اونٹوں کو ذبح کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ کل سو اونٹ تھے۔ اس طرح 37 اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کا گوشت اور دوسری چیزیں لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ منیٰ کا تمام مقام قربانی کرنے کی جگہ ہے... اس کے کسی بھی حصے میں جانور قربان کیا جا سکتا ہے۔

قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈوایا۔ سرِ مبارک کے بال صحابہ کرام میں تقسیم کیے گئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

ترجمہ: ''اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔''

سر منڈوانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نے خوشبو لگائی۔

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ جانے کے لیے سواری پر تشریف فرما ہوئے۔ مکہ پہنچ کر ظہر سے پہلے طواف کیا۔ یہ طوافِ افاضہ تھا جو حج میں فرض ہے۔ اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زم زم کے کنوئیں سے زم زم نوش فرمایا۔ کچھ پانی اپنے سر مبارک پر بھی چھڑکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ وہیں ظہر کی نماز ادا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تین دن ٹھہرے۔ تین دن تک رمیٔ جمرات کی یعنی شیطانوں کو کنکریاں ماریں۔ ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماریں۔ منیٰ کے قیام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے اور صحابہ کرام کو حکم فرمایا:

''لوگو! اپنے وطن لوٹنے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرلو۔''

اسے طواف وداع کہتے ہیں، یعنی رخصت ہوتے وقت کا طواف....اور یہ ہر حاجی پر واجب ہے۔



لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ

طوافِ وداع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ واپسی کے سفر میں غدیرِ خم نامی تالاب کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جمع فرمایا، ان کے سامنے خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا:

''لوگو! درحقیقت میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں اور بندہ ہوں۔ ممکن ہے، اب جلد ہی میرے رب کا ایلچی میرے پاس آ جائے۔ (یعنی میرا بلاوا آ جائے) اور میں اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دوں، میں بھی اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں اور تم بھی جواب دہ ہو، اب تم کیا کہتے ہو؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا:

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، اس میں پوری محنت فرمائی اور نصیحت تمام کر دی۔''

تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ جنت، دوزخ اور موت برحق چیزیں ہیں اور یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی چیز ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی

کوئی گنجائش نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں پہنچ چکے ہیں؟"

صحابہ کرام نے عرض کیا:

"بے شک ہم ان سب باتوں کی گواہی دیتے ہیں۔"

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ آپ گواہ رہیے گا۔"

پھر فرمایا:

"لوگو! قرآن پر جمے رہنا۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسرے اپنے گھر والے (جس میں ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں سب آگئیں)... تم منتشر ہو کر پھوٹ مت ڈال لینا، یہاں تک کہ تم حوضِ کوثر پر میرے پاس جمع ہو جاؤ۔"

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ فرمائے:

"میں جس کا مولیٰ اور آقا ہوں، علی بھی اس کے مولیٰ اور آقا ہیں۔ اے اللہ جو علی کا مددگار ہو تو بھی اس کا مددگار ہو جا... اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ جو اس سے بغض رکھے تو بھی اس سے بغض رکھ... جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اس کی اعانت کرے تو بھی اس کی اعانت فرما، جو بھی اسے رسوا کرے تو اسے رسوا فرما، یہ جہاں بھی ہو، تو حق اور صداقت کو اس کا ساتھی بنا دے۔"

لفظ مولا کے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام اہلِ ایمان کے لیے بزرگ، سردار اور قابلِ احترام ہیں مولا کا مطلب مددگار بھی ہے۔ غرض مولا کے بیس کے قریب معانی ہیں۔

مشہور محدث امام نووی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ جو ارشاد ہے کہ جس کا میں مولا ہوں، اس کے مولیٰ علی بھی ہیں، کیا اس ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔''

اس سوال کے جواب میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اس حدیث سے یہ مطلب نہیں نکلتا بلکہ ان علماء کے نزدیک جو اس میدان میں نمایاں ہیں اور جن کی تحقیق پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا مددگار، آقا اور محبوب میں ہوں تو علی بھی اس کے مددگار، آقا اور محبوب ہیں۔''

اس سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ذوالحلیفہ کے مقام پر رات بسر فرمائی۔ اور رات کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مدینہ منورہ پر پڑی تو تین مرتبہ تکبیر کہی اور یہ کلمات پڑھے:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اور تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم توبہ کرتے ہوئے اور اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے ہوئے اور اس کی تعریفیں کرتے ہوئے لوٹنے والے ہیں، اللہ کا وعدہ سچا ہو گیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور سب گروہوں کو اس تنہا نے شکست دی۔''

پھر صبح کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ 11ھ میں پیر کے دن جب کہ ماہ صفر کی آخری تاریخیں تھیں، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رومیوں کی عظیم سلطنت کے خلاف تیاری کا حکم فرمایا، اس سے اگلے روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

''اس مقام کی طرف بڑھو جہاں تمہارے والد شہید ہوئے تھے اور اس علاقے کو اسلامی شہسواروں سے پامال کرو، میں تمہیں اس لشکر کا امیر بناتا ہوں... نہایت تیزی سے

سفر کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھو تا کہ جاسوسوں کی اطلاعات سے پہلے دشمن کے سر پر پہنچ جاؤ... اگر اللہ تعالیٰ تمھیں ان پر فتح عطا فرمائے تو ان لوگوں کے درمیان زیادہ مت ٹھہرنا اور اپنے ساتھ جاسوس اور مخبر لے جانا۔"

اگلے روز بدھ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں درد شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بخار بھی ہو گیا۔ جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف کے باوجود اپنے دستِ مبارک سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو پرچم بنا کر دیا، پھر فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر اس کے راستے میں جہاد کے لیے جاؤ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے، ان سے جنگ کرو۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنا پرچم لے کر اسلامی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ اس وقت بالکل نوجوان تھے... اس نوجوانی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لشکر کا سالار مقرر فرمایا تھا جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑے بڑے ممتاز اور تجربہ کار لوگ موجود تھے... اس بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات نے اس بات کو محسوس کیا کہ جب اتنے بڑے اور تجربہ کار حضرات موجود ہیں تو پھر ایک نوعمر کو سپہ سالار کیوں مقرر فرمایا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ اسی وقت اپنے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے... اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بدن مبارک پر ایک چادر تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر تشریف لائے۔ اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی، پھر صحابہ کرام کو خطاب فرمایا:

"لوگو! یہ کیسی باتیں ہیں جو اسامہ کو امیر بنانے پر تم لوگوں کی طرف سے مجھ تک پہنچی ہیں؟ اس سے پہلے جب میں نے اسامہ کے والد کو امیر بنایا تھا تو اس وقت بھی اس قسم کی کچھ باتیں سننے میں آئی تھیں، قسم ہے اللہ عزّ وجل کی کہ وہ یعنی زید بن حارثہ امیر بننے کے لیے موزوں ترین آدمی تھے اور اب ان کے بعد ان کا بیٹا امیر بننے کے لیے موزوں ترین

ہے، یہ دونوں باپ بیٹے ایسے ہیں کہ ان سے خیر ہی کا گمان کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اسامہ کے بارے میں خیر ہی کا گمان رکھو، کیونکہ وہ تم میں سے بہترین لوگوں میں سے ایک ہے۔"

اب جو صحابہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جہاد کے لیے جانے والے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آنے لگے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کافی ناساز تھی، اس کے باوجود فرما رہے تھے، "اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو..." اپنی طبیعت کی خرابی کے پیشِ نظر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ساتھ جانے سے روک دیا تھا اور انھیں حکم فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔

اتوار کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہوگیا... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر ٹھہر گئے تھے۔ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے آئے... جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھیں بند کیے نڈھال سی حالت میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آہستہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دبایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات نہ کی، دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھائے اور ان کو اسامہ پر رکھ دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد اسامہ رضی اللہ عنہ پھر اپنے لشکر میں لوٹ آئے... لشکر اس وقت جرف کے مقام پر تھا۔ اسلامی لشکر روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ مدینہ منورہ سے پیغام ملا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی ہے... آپ نہ جائیں۔"

اس طرح یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا... طبیعت خراب ہونے سے پہلے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت قبرستان بقیع میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں ہر مومن کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی۔

قبرستان سے واپس لوٹے تو سر مبارک میں شدید درد شروع ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سر درد کے بارے میں بتایا، انھوں نے سر دبانا شروع کیا۔ سر درد کے ساتھ کو بخار بھی شروع ہو گیا...

مرض شروع ہونے کے بعد بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی تمام ازواج کے ہاں باری کے مطابق تشریف لے جاتے تھے۔ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اس دن مرض میں شدت پیدا ہوگئی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو بلایا اور ان سے اجازت لی کہ آپؐ کی تیمارداری حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں ہو۔ سب نے خوشی سے اس کی اجازت دے دی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری رہنے لگی... بخار کی شدت زیادہ ہوئی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف کنوؤں سے، سات مشکیں پانی کی منگوائیں اور اپنے اوپر ڈالنے کا حکم فرمایا۔



آخری ایام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان سات مشکوں کا پانی ڈالنا شروع کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا:

''بس کافی ہے۔''

زندگی کے ان آخری ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''اے عائشہ! مجھے خیبر میں جو زہر دیا گیا تھا، اس کی تکلیف میں اب محسوس کرتا ہوں۔''

اس کا مطلب ہے کہ آخری دنوں میں اس زہر کا اثر دوبارہ ظاہر ہو گیا تھا اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت درجۂ شہادت کو پہنچتی ہے۔

پانی اپنے اوپر ڈلوانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے باہر نکلے۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پٹی بندھی تھی۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداءِ احد کے لیے دعا مانگی۔ بہت دیر تک ان کے لیے دعا فرماتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے سامنے ایک طرف دنیا رکھی اور دوسری طرف وہ سب کچھ رکھا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پھر اس بندے کو اختیار دیا کہ وہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک چن لے۔ اس بندے نے اپنے لیے وہ پسند کیا ہے جو

اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان باتوں کا مطلب فوراً سمجھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے مراد اپنی ذات ہے، چنانچہ رونے لگے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم اپنی جانیں اور اپنی اولادیں آپ پر قربان کر دیں گے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روتے دیکھ کر فرمایا:

''ابوبکر! خود کو سنبھالو!''

پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

''لوگو! ساتھ دینے کے اعتبار سے اور اپنی دولت خرچ کرنے کے اعتبار سے جس شخص کا مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے، وہ ابوبکر ہیں۔''

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو دس سے زیادہ صحابہ نے نقل کیا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مسجد سے ملے ہوئے تمام دروازے بند کر دیے جائیں، بس ابوبکر کا دروازہ رہنے دیا جائے، کیونکہ میں اس دروازے میں نور دیکھتا ہوں، صحبت اور رفاقت کے اعتبار سے میں کسی کو ابوبکر سے افضل نہیں سمجھتا۔''

ایک روایت میں ہے:

''ابوبکر میرے ساتھی ہیں اور میرے غم گسار ہیں، اس لیے مسجد میں کھلنے والی ہر کھڑکی بند کر دو، سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

''میرے ساتھی ابوبکر کے بارے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشادِ مبارک ہے:

''جب لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا تھا تو ابوبکر نے مجھے سچا کہا تھا، جب لوگوں نے اپنا مال روک لیا تھا تو ابوبکر نے میرے لیے اپنے مال کو فیاضی سے خرچ کیا۔ جب لوگوں نے مجھے وقت پر بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا تو ابوبکر نے میری غم خواری کی تھی۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ کیا بات ہے کہ آپ نے ابوبکر کا دروازہ تو کھلا رہنے دیا اور باقی لوگوں کے دروازے بند کروادیے۔''

ان کی بات کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عباس! نہ میں نے اپنے حکم سے کھلوائے نہ اپنے حکم سے بند کروائے۔''

مطلب یہ تھا کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اپنے اوپر سات مشکوں کا پانی ڈلوانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افاقہ محسوس فرمایا تو مہاجرین سے ارشاد فرمایا:

''اے مہاجرین! انصار کے ساتھ نیک سلوک کرنا، خیر کا سلوک کرنا، کیونکہ یہ لوگ میری پناہ گاہ تھے۔ ان کے پاس مجھے ٹھکانا ملا، اس لیے ان کی بھلائیوں کے بدلے میں ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان کی برائیوں سے درگزر کرنا۔''

اتنا فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے۔ اپنے مرضِ وفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ وہ نماز عشاء کی تھی... جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے برتن میں پانی لاؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا مگر غشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا:

''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟''

صحابۂ کرام نے عرض کیا: ''لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' اس وقت آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے پھر پانی لانے کا حکم دیا، وضو کیا، پھر مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا، لیکن پھر غشی طاری ہوگئی۔ اس کے بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا:

"کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟"

صحابہ کرام نے پھر عرض کیا: "نہیں، لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

اب پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، نماز کا ارادہ فرمایا، لیکن غشی طاری ہوگئی۔ افاقہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی بتایا گیا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب یہ حکم ملا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عمر! تم نماز پڑھا دو۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔"

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی... اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیٔ مبارک میں اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ اس دوران صبح کی ایک نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی امامت میں دوسری رکعت میں شریک ہوئے اور اپنی پہلی رکعت بعد میں ادا فرمائی۔ اس نماز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد تک آئے تھے۔ ان دو میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے... انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو فوراً پیچھے ہٹنے لگے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرمائیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اشارے سے فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں

ساتھیوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بٹھا دیا۔

اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کے پیچھے باقی تمام صحابہ نے بھی کھڑے رہ کر نماز ادا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پوری فرمائی۔

امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے تین مرتبہ نماز پڑھی۔

اس بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ پہلی مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کرنے لگے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا:

"نہیں... نہیں... نہیں... ابوبکر ہی نماز پڑھائیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ آئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی تھی۔

پھر آخری روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پردے سے باہر نکال کر مسجد میں دیکھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے... یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے... یہ دن پیر کا دن تھا... وہی دن جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ مسکرا کر صحابہ کرام کو دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا۔

اس وقت لوگوں نے محسوس کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اب پہلے سے بہت بہتر ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں کمی ہو گئی ہے... سو آپ کے آس پاس موجود صحابہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ کے قریب "سنخ" نامی دیہات چلے گئے جہاں ان کی دوسری زوجہ محترمہ کا گھر تھا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک یا ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھی۔ جانے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس روز صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور پر بہت بشاشت تھی، چہرۂ انور چمک رہا تھا، لہٰذا لوگوں نے خیال کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سنبھل گئی ہے۔ لیکن دوپہر کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار تیز ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی تمام ازواج مطہرات پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت بار بار غشی طاری ہو رہی تھی، ہوش میں آتے تو فرماتے:

''میں اپنے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں۔''



سفرِ آخرت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اپنا ہاتھ مبارک پانی میں ڈال کر اپنے چہرۂ انور پر پھیرنے لگے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

"اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے چینی کے آثار بڑھتے دیکھے تو میں پکار اٹھی:

"ہائے میرے والد کی بے چینی!"

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"آج کے بعد پھر کوئی بے چینی تمہارے باپ کو نہیں ہوگی۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت جو اس قدر تکلیف اور بے چینی کے آثار ظاہر ہوئے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے... یہ کہ اگر کسی مسلمان کو موت کے وقت اس طرح کی تکلیف اور بے چینی ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو یاد کر کے خود کو تسلی دے سکتا ہے، یعنی دل میں کہہ سکتا ہے کہ جب اللہ کے رسول پر موت کے وقت اتنی تکلیف گزری تو میری کیا حیثیت ہے؟ یوں بھی موت کی سختی مومن کے درجات بلند ہونے کا سبب بنتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلّم پر موت کی تکلیف دیکھنے کے بعد اب میں کسی پر بھی موت کے وقت سختی کو ناگوار محسوس نہیں کرتی۔''

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی تو فرمایا کرتے تھے:

''اے تمام لوگوں کے پروردگار! یہ تکلیف دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے کہ تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری دی ہوئی شفا ہی اصل شفا ہے جس میں بیماری کا نام ونشان نہیں ہوتا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی بڑھی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دعا کے یہی کلمات پڑھ کر دم کرنے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک کھینچ لیا اور یہ دعا پڑھی:

''اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں جگہ عطا فرما۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب بھی کوئی تکلیف ہوتی تھی تو عافیت اور شفا کی دعا کیا کرتے تھے، لیکن جب مرضِ وفات ہوا تو اس میں شفا کی دعا نہیں مانگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس حالت میں میرے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسواک کو دیکھنے لگے۔ میں سمجھ گئی کہ مسواک کی خواہش محسوس کر رہے ہیں، کیونکہ مسواک کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا، چنانچہ میں نے پوچھا:

''آپ کو مسواک دوں؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ مبارک سے ہاں کا اشارہ فرمایا۔ میں نے مسواک دانتوں سے نرم کر کے دی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سہارا لیے ہوئے تھے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میرے اوپر اللہ کے خاص انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال میرے گھر میں ہوا۔ آپ کا جسم مبارک اس وقت میرے جسم سے سہارا

لیے ہوئے تھا۔ وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرا لعابِ دہن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن سے ملا دیا، کیونکہ اس مسواک کو میں نے نرم کرنے کے لیے چبایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا تھا۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوئی تو سب ازواجِ مطہرات آس پاس جمع ہو گئیں۔

مرض کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس غلام آزاد فرمائے۔ گھر میں اس وقت چھ یا سات دینار تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ ان دیناروں کو صدقہ کر دیں... ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

"محمد اپنے رب کے پاس کیا گمان لے کر جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو اور یہ مال اس کے پاس ہو۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت ان دیناروں کو صدقہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے چند روز پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ چاند زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف چلا گیا۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب سنایا تھا... خواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"اے عباس! وہ تمہارا بھتیجا ہے۔"

یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ تھا۔

اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ محبت تھی۔ علالت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلا بھیجا۔ وہ تشریف لائیں تو ان کے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ سن کر رونے لگیں، پھر ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں۔ بعد میں انھوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں وفات پا جاؤں گا، یہ سن کر میں رو پڑی... دوسری بار فرمایا کہ خاندان میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے کچھ عرصے بعد سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہی انتقال ہوا۔

وفات سے ایک یا دو دن پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

''یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔''

یہ بھی فرمایا کہ یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو اور فرمایا:

''لوگو! نماز... نماز... نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔''

وفات سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام ملک الموت کے ساتھ آئے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کے مشتاق ہیں۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو حکم کے مطابق میری روح قبض کرلو۔''

ایک روایت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام ملک الموت کے ساتھ آئے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا:

''اے اللہ کے رسول! یہ ملک الموت ہیں اور آپ سے اجازت مانگتے ہیں... آپ سے پہلے انھوں نے کسی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت مانگیں گے۔ کیا آپ انھیں اجازت دیتے ہیں؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ تب عزرائیل علیہ السلام اندر آئے۔ انھوں نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں تو میں ایسا ہی کروں گا اور اگر آپ حکم فرمائیں کہ چھوڑ دو تو میں ایسا ہی کروں گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے پوچھا:
''کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ روح قبض کیے بغیر چلے جاؤ؟''
انھوں نے عرض کیا:
''ہاں! مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔''
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انھوں نے عرض کیا:
''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔''
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:
''مجھے اپنے پروردگار سے ملاقات عزیز ہے۔''
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا:
''تمہیں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کو پورا کرو۔''
چنانچہ ملک الموت نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی۔ اِنّا لِلّٰہِ واِنّا اِلیہِ رَاجعون.

اس روز پیر کا دن تھا اور دوپہر کا وقت تھا۔ تاریخِ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ معتبر قول کے مطابق ربیع الاول کی 9 تاریخ تھی۔ وفات کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی گئی... وہ فوراً آئے۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ انھوں نے آتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ مبارک کو بوسہ دیا۔ اور یہ الفاظ کہے:

''آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ زندگی میں بھی پاک اور مبارک تھے اور موت کی حالت میں بھی پاک اور مبارک ہیں، جو موت آپ کو آنا تھی آ چکی، اب اللہ تعالیٰ آپ کو موت نہیں دیں گے۔''



اسی کے پاس سب کو جانا ہے

باہر صحابہ ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت اتنی پریشان کن تھی کہ مسجدِ نبوی کے ایک کونے میں کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ کا انتقال نہیں ہوا... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک کہ وہ منافقوں کے ہاتھ پیر نہیں توڑ دیں گے اور اگر کسی نے یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا ... بعض منافق یہ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں، حالانکہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ اسی طرح اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام گئے تھے اور پھر چالیس راتوں کے بعد اپنی قوم میں واپس آگئے تھے جب کہ لوگ ان کے بارے میں کہنے لگے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی ہے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح واپس تشریف لائیں گے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ آئے تھے...... پھر ان لوگوں کے ہاتھ پیر کٹوائیں گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ غم کی زیادتی کی وجہ سے ابھی یہ باتیں کہہ رہے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور منبر پر چڑھے۔ انھوں نے بلند آواز میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہو گیا ہے۔''

یہ کہہ کر انھوں نے سورۃ آلِ عمران کی آیت 44 تلاوت فرمائی۔ اس کا مفہوم یہ ہے:

''اور محمد رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے... اور جو شخص الٹے پیروں پھر بھی جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حق شناس لوگوں کو بدلہ دے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ آیت سن کر مجھے لگا جیسے میں نے آج سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہیں تھی۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن، صَلَوَاتٌ وَسَلَامٌ عَلٰى رَسُوْلِه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم۔''

(بے شک ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو۔)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کی اس آیت سے سب کے لیے موت کا برحق ہونا ثابت فرمایا اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید میں ارشاد سے فرمایا ہے:

''آپ کو بھی مرنا ہے اور انھیں (عام مخلوق کو) بھی مرنا ہے۔'' (سورۃ الزمر: آیت 30)

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد لوگ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

(اور یہ کس قدر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ یہ قسط ربیع الاول کی انہی تاریخوں میں شائع ہو رہی ہے... جن میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوئی، یہ قدرتی ترتیب اسی طرح بن گئی، ورنہ میرا ایسا کوئی باقاعدہ ارادہ نہ تھا)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو غسل دیا گیا۔ غسل حضرت علی، حضرت عباس اوران کے بیٹوں فضل اور قثم رضی اللہ عنہم نے دیا۔ حضرت فضل اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما غسل دینے والوں کو پانی دے رہے تھے۔ غسل کے وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قمیص نہیں اتاری گئی۔ غسل کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا، عود وغیرہ کی دھونی دی گئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چارپائی پر لٹا کر ڈھانپ دیا گیا۔

نمازِ جنازہ کی کسی نے امامت نہیں کی۔ سب نے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی۔ یعنی جتنے لوگ حجرۂ مبارک میں آسکتے تھے، بس اتنی تعداد میں داخل ہوکر نماز ادا کرتے اور باہر آجاتے، پھر دوسرے صحابہ اندر جاکر نماز ادا کرتے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما چند دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ حجرے میں داخل ہوئے تو ان الفاظ میں سلام کیا۔

"اَلسَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ."

پھر تمام مہاجرین اور انصار نے بھی اسی طرح سلام کیا۔ نمازِ جنازہ میں سب نے چار تکبیرات کہیں۔

انصاری حضرات سقیفۂ بنی ساعدہ (ایک جگہ کا نام) میں جمع ہو رہے تھے تاکہ خلافت کا فیصلہ کیا جائے۔ کسی نے اس بات کی خبر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو دی۔ یہ دونوں حضرات فوراً وہاں پہنچے۔ اور خلافت کے بارے میں ارشادِ نبوی سنایا۔

خلافت کا مسئلہ طے ہوگیا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دفن کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا... سوال یہ کیا گیا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے آئے اور فرمایا:

"آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہیں دفن کیا جائے گا جہاں وفات ہوئی ہے... میرے پاس ایک حدیث ہے... میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا

ہے، کہ نبی کی روح اسی جگہ قبض کی جاتی ہے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب جگہ ہوتی ہے۔''

چنانچہ یہ بات طے ہوگئی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اسی جگہ دفن کیا جائے۔

اب یہ سوال اٹھا کہ قبر کیسی بنائی جائے، بغلی بنائی جائے یا شق کی... اس وقت مدینہ منورہ میں حضرت ابوطلحہ بن زید بن سہل رضی اللہ عنہ بغلی قبر کھودا کرتے تھے اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح شق کی قبر کھودا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان دونوں کو بلالاؤ... ان میں سے جو پہلے پہنچے گا، اسی سے قبر بنوالی جائے گی۔''

ان کی طرف آدمی بھیجنے کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

''اے اللہ! اپنے رسول کے لیے خیر ظاہر فرما۔''

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آئے، چنانچہ بغلی قبر تیار ہوئی۔ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی بغلی قبر ہی کا حکم فرمایا تھا۔ حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل، حضرت قثم اور حضرت شقران رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قبر مبارک میں اتارا۔

حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے قبر میں ایک سرخ رنگ کا کپڑا بچھایا۔ یہ وہی سرخ کپڑا تھا جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سفر پر جاتے وقت اونٹ کے پالان پر بچھاتے تھے۔ یہ کپڑا اس لیے بچھایا گیا کہ وہاں نمی تھی۔ اس وقت حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے:

''خدا کی قسم! آپ کے بعد اس کپڑے کو کوئی نہیں پہن سکے گا۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تدفین منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس روز ہم سب ازواج ایک جگہ جمع ہو کر رو رہی تھیں۔ ہم میں سے کوئی سو نہ سکا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی۔ اذان میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نامِ مبارک آیا تو سارا مدینہ رونے لگا... لوگ اس قدر

روئے کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس سے بڑا صدمہ ان پر کبھی نہیں گزرا تھا اور نہ آئندہ کبھی کسی پر گزرے گا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تمہارے دلوں نے کیسے برداشت کر لیا کہ تم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر مٹی ڈالو؟''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پھیرنے والا کوئی نہیں۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آدمی اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کا خمیر اٹھایا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی جگہ کی مٹی سے تخلیق کیے گئے تھے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور بھوکی پیاسی مر گئی۔

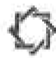
علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس جگہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دفن ہیں، وہ جگہ روئے زمین میں تمام مقامات سے افضل ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم واقعۂ فیل والے سال میں پیدا ہوئے......یعنی جس سال ابرہہ بادشاہ نے کعبہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس واقعہ کے چالیس یا پچاس دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادتِ باسعادت صبح طلوعِ فجر کے وقت ہوئی۔ وہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کا مہینا تھا۔ تاریخِ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس روز معتبر قول کے مطابق 9 تاریخ تھی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات بھی ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی اور اس روز بھی ربیع الاول کی نو یا بارہ تاریخ تھی۔

اے اللہ درود و سلام ہو اس ذات پر کہ جس نے کفر و شرک کے اندھیروں میں شمعِ ہدایت روشن کی اور جن کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ وہ تیرے بندے اور رسول اور

ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کامل ہے۔ میدانِ حشر میں ہمیں ان کے گروہ میں شامل فرما اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث کے خادموں میں داخل فرما۔ آمین۔ سوائے اللہ رب العزت کی ذاتِ عظیم کے کسی کو دوام حاصل نہیں۔

وصلی اللہ علی النبی الامی و علیٰ الہ واصحابہ اجمعین.



الحمد للہ! اس قسط کے ساتھ ہی سیرت النبی قدم بہ قدم کا یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا... اسے جس قدر پسند کیا گیا، اس پر اللہ کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے، اس میں تقریباً دو سال لگے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے ان گنت پہلو پھر بھی اس میں شامل نہ ہو سکے... اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا... دنیا کے تمام انسان تمام عمر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک پر لکھتے رہیں، تب بھی حق ادا نہیں ہو سکتا... موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو عام کیا جائے، قول سے، عمل سے یا جس طرح بن پڑے یہ کام ضرور کیا جائے۔ اس وقت انسانیت کو کسی آئیڈیل کی تلاش ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات ہو سکتی ہے۔ بقول ذکی کیفی......

تنگ آ جائے گی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی

